جمادی الاُولیٰ ۱۴۱۵ھ
نومبر ۱۹۹۴ء

نقیبِ ختمِ نبوّت

ماہنامہ — مُلتان

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ الکریم

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

اچھی طرح جان لو! اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ الرعد ۲۸

مٹ جانے کا عزم

اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا میں ایک عام اقتصادی نظام اور عالمگیر انسانی برادری کو قائم کیا جائے۔ اور اس کی ابتدا گھر سے کی جائے۔ تنگ دلی، تنگ خیالی اور غفلت کا ایک لمحہ بھی تمہیں مکذبین میں شامل کر دے گا۔ شخصی اصلاح پر نظر رکھو اور جماعتی بھلائی کے اصول کو نہ بھولو۔ تب ہی تم فلاح پا سکتے ہو۔ قوموں کے شخصی اور قومی اخلاق جب تک پاکیزہ رہیں گے قوم زندہ رہے گی۔ جب اخلاقِ حمیدہ، اعمالِ ناپسندیدہ میں تبدیل ہو جائیں گے تو شجرِ قومی بے برگ و بار ہو جائیگا۔ ان بے برگ و بار قوموں کا نام مکذبین ہے۔

مسلمان کہلانے والی ملت عملِ غیر صالح کے باعث اس وقت مکذبین کی فہرست میں شمار ہے، ہر جگہ غلام اور خوار ہے۔ ایسی زندگی سے مٹ جانا بہتر ہے۔ ملت اگرچہ مٹتی جا رہی ہے۔ افسوس کہ اس میں مٹ جانے کا عزم نہیں، مٹ جانے کے عزم سے تو زندگی مل جاتی ہے! اس عزم سے شخصی اخلاق میں بھی خوشگوار تغیر آجاتا ہے۔ اور قومیں مکذبین کی فہرست سے نکل جاتی ہیں۔ عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر کے ملی بچاؤ میں مصروف ہو جاتی ہیں، آپس میں عفو سے کام لیتی ہیں۔ اللہ کی طرف قدرتی دھیان اور رجحان بڑھ جاتا ہے۔

تاریخ میں مٹنے والوں کے اخلاق کا مطالعہ کرو۔ دعا اور کوشش سے کام لو۔ بے پناہ قربانی کا عزم لے کر اٹھو۔ صرف خدا کو مدِ نظر رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہو گی۔

(امیر افضل حق۔ دینِ اسلام ص ۱۱۲۔ ۱۱۵

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ نومبر ۱۹۹۴ء جلد ۵ شمارہ ۱۱ قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ

مجلس ادارت

رئیس التحریر: سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رُفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

ذوالکفل بخاری ۔ قمر الحسنین

خادم حسین ۔ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ۔ عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک =/۱۰۰ روپے ● بیرون ملک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

دار بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ۔ فون : ۵۱۱۹۶۱

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ (شعبہ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل نو پرنٹرز مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

اداریہ :	دل کی بات	مدیر	۳
شذرہ :	بے نظیر زرداری کی حکومت کا ایک سال	سید عطاء المحسن بخاری	۶
قلم برداشتہ :	رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی	قمر الحسنین	۸
رو برو :	انٹرویو مولانا محمد صدیق ولی اللّٰہی	سید کفیل بخاری، مہدی معاویہ	۱۰
گوشۂ اقبال :	اقبال اور قادیانیت	پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد	۱۹
//	جاوید اقبال کا منتہائے نظر	سید عطاء المحسن بخاری	۳۱
شاعری :	سرکاری یومِ اقبال	شورش کاشمیریؒ	۳۵
//	حقیقت	سید عطاء المحسن بخاری	۳۶
//	رنگِ سخن	پروفیسر محمد اکرام تائب	۳۶
//	شورش کاشمیریؒ	پروفیسر خالد شبیر احمد	۳۷
طنز و مزاح :	زبان میری ہے بات ان کی	ساغر اقبالی	۳۹
//	دیمکوں کی ملکہ سے ایک ملاقات	مجتبیٰ حسین	۴۱
مقالۂ خصوصی :	الفئۃ الباغیۃ (قاتل عمار کون ؟)	مولانا ابو ریحان سیالکوٹی	۴۵
جہانِ نسواں :	مرد کی عیاری	آپا ھنسہ	۵۱
حسنِ انتخاب :	جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں۔	ابان ارشد	۵۳
چمن چمن اجالا :	صادق آباد میں سید عطاء المؤمن بخاری کا خطاب	نمائندہ خصوصی	۵۶
ترحیم :	مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۸
	انتخابات مجالس احرارِ اسلام	//	۵۹

دل کی بات:

کراچی میں موت کا خونیں کھیل

کراچی اور امن دیوانے کا خواب ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کے پہلے جمہوری آمر ذوالفقار علی بھٹو کے عہد خراب میں لسانی فسادات سے اس خونیں کھیل کا آغاز ہوا اور اب آمر بھٹو کی بیٹی بے نظیر زرداری کی راج دھانی میں موت کا یہ خونیں کھیل اپنے منطقی نتیجہ پر پہنچ رہا ہے۔ درمیانی عرصہ میں مختلف حکومتوں نے قیام امن کے لئے اپنے اپنے انداز میں کوششیں کیں مگر بیل منڈھے نہ چڑھی جو تیر کمان سے نکل چکا تھا اس کا واپس آنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔

حال ہی میں فسادات نے جو رخ اختیار کیا ہے وہ انتہائی سنگین اور ملکی وحدت کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ کراچی جو اپنی آبادی، رقبہ، وسائل اور کاروباری حیثیت کے لحاظ سے پاکستان کا منفرد شہر ہے۔ ایسا شہر، جس میں پورا پاکستان سمویا ہوا تھا۔ جس کا دل سب کے لئے دھڑکتا اور اس میں سب کے لئے جگہ تھی مگر وائے حسرت! اب یہاں سندھی، مہاجر، پٹھان پنجابی، سب اپنی اپنی ملکیت کا دعوی کر رہے ہیں۔ پہلے سندھو دیش کا نعرہ لگا، جواب میں کراچی کو سندھ سے الگ کرنے کا مطالبہ آ گیا۔ پھر مہاجر قومی موومنٹ بنی اور مہاجر صوبہ کی بات کی گئی۔ اس لسانی جنگ نے ایسا خوفناک رخ اختیار کیا کہ اس آگ کے شعلوں سے نہ صرف کراچی بلکہ پورا سندھ اور پورا پاکستان جل اٹھا۔ بے گناہ افراد بڑی اذیت دیکر قتل کئے گئے۔ جس کی مثال پاکستان میں پہلے کبھی نہ ملتی تھی۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی سازش تھی۔ جس کے پیچھے آنجہانی سرخ سامراج اور اس کے دانشور گماشتے پوری قوت کے ساتھ سرگرم تھے۔ سرخ سامراج کے زوال کے بعد اب یہ کام سفید سامراج اس کے بغل بتوروں نے سنبھال لیا ہے۔ اور حد یہ کہ شکست خوردہ سرخ دانشور بھی ان کی حمایت میں زبانیں چلانے اور قلمیں گھسانے لگے۔ اور حکمران بھی اسی راہ پر چل نکلے۔

ان دنوں صوبہ کراچی کے قیام کا مطالبہ اپنے عروج پر ہے۔ اور تمام علیحدگی پسند قوتیں پوری آب و تاب کے ساتھ اس کے لئے ہر ممکن طریقے سے سرگرم ہیں۔ اب تو انتظامیہ کے محافظ بھی محفوظ نہیں رہے۔ تھانوں اور موبائل ٹیموں پر حملے روز کا معمول ہو گئے ہیں۔

امریکہ اور اس کے اتحادی یورپئین ممالک کی حریص نگاہیں کراچی پر جمی ہوئی ہیں اور وہ علیحدگی پسندوں کی مکمل پشت پناہی کر رہے ہیں۔ واضح طور پر ان کا مقصد کراچی کو سندھ سے الگ کر کے اسے ہانگ کانگ میں تبدیل کرنا ہے تا کہ وہ اپنی آزادانہ آمدورفت کے ذریعے پاکستان کے نظریاتی تشخص کو مجروح کر سکیں اور اپنی کافرانہ تہذیب و ثقافت کو یہاں پروان چڑھا سکیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے کا نقطہ آغاز ہے۔ اگر اس سازش کو ناکام نہ بنایا گیا اور اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھا گیا تو پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

کراچی کو صوبہ بنانا کوئی عیب نہیں مگر لسانی اور صوبائی تعصب کی بنیاد پر امریکی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہماری قومی، فکری اور اجتماعی موت ہے۔

حکمران ہوش کریں اور موت کے اس خونیں کھیل کو بند کرانے میں اپنا حکومتی اور قومی کردار ادا کریں۔

پاکستان میں شیعہ ریاست کے قیام کا آغاز

بالاخر شمالی علاقوں کی کونسل کے انتخابات ہوگئے اور پاکستان میں شیعہ ریاست کے قیام کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔ ان انتخابات میں تحریکِ جعفریہ نے ۸ پیپلز پارٹی نے ۷، آزاد امیدوار ۷ اور مسلم لیگ نے ۱ نشست حاصل کی۔ انتخابی نتائج کے اعلان پر فساد ہوا اور دو افراد جاں بحق ہوگئے۔ پاکستان کے شیعہ ایران کی شہ پر ایک عرصہ سے اس کوشش میں مصروف تھے۔ گلگت اور چترال میں کئی مرتبہ سنی شیعہ فسادات بھی ہوئے اور شیعہ گروہ نے اپنے ہم مسلک ہمسایہ ملک کی امداد کے بل بوتے پر بے گناہ اہل سنت کو قتل کیا۔

ایران بہر صورت اس علاقے میں اپنے مذہبی حمایتیوں کے ذریعے عمل دخل رکھنا چاہتا ہے۔ ادھر ایک دعوی یہ بھی ہے کہ شمالی علاقے کشمیر کا حصہ ہیں۔ ایران ایک طرف تو پاکستان کے راستے بھارت کو گیس فراہم کر رہا ہے۔ اور دوسری طرف پاکستان میں شیعہ گروہ کے ذریعے کھلی مداخلت کر رہا ہے۔ موجودہ انتخاب ہر لحاظ سے شمالی علاقوں کو پاکستان اور کشمیر سے علیحدہ کرنے کی گھناؤنی سازش ہے۔ بے نظیر زرداری نے جس طرح خاموش سفارتکاری کے ذریعے ان علاقوں میں شیعہ گروہ کو مسلط کیا ہے اس سے ان کا مذہبی تعصب واضح ہو گیا ہے بلاشبہ یہ موجودہ حکومت کی شیعہ نوازی کا کھلا ثبوت ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ آئندہ شمالی علاقوں پر مشتمل شیعہ ریاست وجود میں آئے گی۔ کوئی محبِ وطن اس سازش سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اگر جواباً اہل سنت نے بھی کہیں ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تو پھر انہیں روکنا محال ہو گا۔ بہر نوع ایسے واقعات سے پاکستان کو نقصان ہو گا۔ اور اس کا سہرا بے نظیر زرداری کے سر ہو گا۔

مولانا سعید الرحمن علوی رحمتہ اللہ علیہ

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

۲۰ اکتوبر کی دوپہر اس اندوہناک خبر نے دل ہلا کر رکھ دیا کہ مولانا سعید الرحمن علوی آج صبح انتقال کر گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سعید الرحمن علوی ہمارے شفیق اور بزرگ دوست تھے۔ وہ حضرت امیر شریعت کے رفیق اور مجلس احرارِ اسلام کے سابق رہنما حضرت مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ ایک مضبوط عالم دین، محقق، کھلے دل و دماغ کے مالک، بیدار ذہن، وسیع المطالعہ، مخلص اور شفیق دوست، شگفتہ قلم صحافی، خوش الحان قاری اور اچھے مقرر تھے۔ علمی مذاق بہت بلند تھا اور تحریر پر قدرت حاصل تھی۔ جب اور جس موضوع پر لکھنے کو کہا گیا انہوں نے فوراً لکھ دیا۔ بے شمار اہم کتابیں شائع کرائیں۔ بیسیوں کتابوں کے عربی سے اردو تراجم کئے ان کے مقدمات اور پیش لفظ لکھے، ہفت روزہ خدام الدین کے ایڈیٹر رہے۔ اور اب قاری

عبد القیوم صاحب کے مدرسہ میں درسِ حدیث کے علاوہ شاہ جمال لاہور کی مسجد دارالشفاء میں درسِ قرآن اور خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ روزنامہ پاکستان میں حالات حاضرہ کے حوالے سے مستقل کالم بھی لکھتے۔ انکی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ (جسے وہ خود بھی پسند کرتے) مگر تحریر کی شگفتگی اور روانی میں وہ منفرد اسلوب کے مالک تھے۔

۱۳ اکتوبر کی شام ربوہ میں حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کی مجلس میں ان سے ملاقات ہوئی اور وہ میرے ساتھ مسجد احرار تشریف لائے۔ نمازِ عشاء انہی کی امامت میں اداء کر کے لاہور تک کا سفر ان کے ساتھ کیا، رات کو انہی کے ہاں قیام کیا۔ لاہور پہنچ کر مولانا نے بتایا کہ میرے پھوپھا انتقال کر گئے ہیں۔ اس سانحہ پر وہ بہت غم زدہ تھے۔ پھر فرمایا کہ نمازِ جمعہ کے بعد ملکوال تعزیت کے لئے جاؤں گا اور پیر کو واپس لاہور پہنچوں گا۔ مگر وہ لاہور پہنچنے کی بجائے آخرت کو سدھار گئے۔ ۲۰ اکتوبر کو نمازِ فجر کے بعد دل کا دورہ پڑا، انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ مگر وہ رستے میں مسلسل قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے رہے وہیں دوسرا دورہ پڑا اور مولانا اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت امیر شریعت سے میری خاندانی نسبت کے حوالے سے وہ میرے ساتھ بہت شفقت فرماتے۔ ان کی شفقت اور محبت میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ ایک خوبصورت انسان تھے۔ انہوں نے اپنے حسنِ کردار سے احباب کا ایک وسیع حلقہ اپنے گرد جمع کر لیا تھا مگر کسی سے کوئی مفاد حاصل نہ کیا۔ فقیرانہ زندگی بسر کی اور نمود و نمائش سے گریز کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما کر حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے (آمین)

اراکینِ ادارہ ان کی وفات پر بجائے خود تعزیت کے مستحق ہیں ہم مولانا مرحوم کے بڑے بھائی محترم مولانا عزیز الرحمن خورشید اور دیگر بھائیوں کے علاوہ انکے تمام اہل خانہ سے تعزیت کرتے ہیں۔

❋❋❋

سید عطاء المحسن بخاری

بے نظیر زرداری کی حکومت کا ایک سال

اکتوبر ۱۹۹۳ء نواز شریف کی سرمایہ داری و سرمایہ کاری کا زوال اپنے دامن میں لئے طلوع ہوا اور یہی مہینہ بے نظیر زرداری کے آفتاب اقتدار کے طلوع کا مہینہ بھی ہے۔ اب کہ اکتوبر ۱۹۹۴ء ہے۔ بے نظیر کے اقتدار کو ایک برس بیت گیا، ان بیتے دنوں کی یاد ایسی کربناک ہے گویا کہ یہ دن ابھی بیت رہے ہیں۔ وہی کرب، وہی المیے، وہی معاشی بدحالی اور وہی وحشیانہ سماجی رویے، وہی سیاسی دھینگا مشتی، پنجابی میں کہتے ہیں "ساناں دی لڑائی وچ ٹانڈیاں دا اجاڑا" پہلے سرمایہ دار نے جاگیرداروں کو بیخ دیا پھر جاگیردارنی نے سرمایہ دار کو چت کر دیا۔ ان دونوں سانڈوں اور سانڈنیوں کی جنگ اقتدار میں ہم اجڑ گئے، ہمارے جیب و داماں خالی ہوگئے، ہمیں بے نظیر اقتدار کا پہلا تحفہ مہنگائی کی صورت میں ملا۔ اشیاء ضرورت دگنی یا ڈیڑھ گنا قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔ ملتی ہیں تو بے حد مہنگی، ناقص یا نہایت گھٹیا۔ وہ ذاتی نفع کی خاطر دھنیے میں گھوڑے کی لید بھی پیچ دیتا ہے۔ شاید اس لئے کہ آصف زرداری کے گھوڑے چودہ کروڑ میں آئے ہیں اور یہ بھی ہمارا جرم ہے اور زرداری کا نقصان۔ اس نقصان کو لید خشک دھنیے میں مکس کر کے بیچنے سے پورا کیا جائیگا۔ سرخ مرچیں.... سوکھی لیں تو ساٹھ پینسٹھ روپے کلو اور اگر پسی ہوئی لیں تو چالیس روپے کلو۔ تحقیق کرنے پر عقدہ کھلا کہ ان میں تو پسی ہوئی اینٹیں بھی ملی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ وہی کمیاب اینٹیں ہوں جو راج محل اسلام آباد کیلئے تو ناقص تھیں مگر عوام کیلئے مفید۔ پھر ترپاہٹ بھی تو اسکا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اینٹیں ضائع ہونے سے بچیں اور ان سے حاصل ہونے والا سرمایہ پھر بیگم زرداری کے جیالوں کے کام آئے کہ یہ عین کفایت شعاری ہے۔

قارئین آپ بھی تو میرے ہی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بینگن ١٦ روپے کلو تک بک گئے اسی ایک سال میں، گزشتہ برسوں میں نہیں۔ اسی سہانے ایک بے نظیر برس میں بینگن سولہ روپے کلو؟ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ جی ہاں! وہی بینگن جسے بے نظیر کے والد بھٹو نے ایوبی دور میں کوٹ کی جیب سے نکالا اور مہنگائی کا گلہ کیا تھا۔ آٹا، چاول، دالیں، گھی سب کے سب آنکھیں پھیر گئے۔ اتنی مہنگی اور گھٹیا خوراک کھانے کے بعد انتڑیاں، معدہ، جگر، تلی، گردے، مثانہ، جسم، دماغ اور بے چارہ ہائے دل...! سب مل کے کورس گانے لگے۔

آ معدہ، جگر، مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گھی پکار، میں چلاؤں ہائے درد

ستم بالائے ستم دوائیں نایاب، معدے کی اصلاح کی دوا کھاؤ تو گردے بیکار، گردوں کیلئے دوا کھاؤ تو جگر کے پار۔ نہ ہائے ہائے نہ وائے وائے، آنکھیں پیلی، رنگ بسنتی، کالے ہونٹ آواز ندارد۔ ہسپتال لے جاؤ تو ڈاکٹر غائب۔ آؤٹ ڈور میں دھکے کھا کھا کے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے اور ایک میت ساتھ لائے۔ واپسی پر ہسپتال کی گاڑی بھی نرسوں سمیت غائب۔ ایدھی والوں یا انصار برنی کی گاڑی حاصل کرنے کے لئے سو روپے پیشگی جمع کرانے پڑتے ہیں وہ بھاگ دوڑ میں ختم ہوگئے۔ ہوٹل سرائے سے ایک چارپائی کرائے پر لی اور میت لاد کر گھر پہنچے۔

بے نظیر سال کا ایک اور لاجواب تحفہ "عورت"...... ریڈیو پر عورتوں کی یلغار، ٹی وی پر عورتوں کی بھرمار، پیپلز ہاؤس میں عورتوں پر خدا کی مار اور قومی اسمبلی کے زاغوں کے تصرف میں عورتیں، قومی اسمبلی نہیں جنسی انارکی کا آشرم، نرتکیوں ڈومنیوں اور میراثیوں کی غار ایلورا، میں بتاؤں اس سال کی سب سے بڑی کمائی جو مہا بھاڑو (صدر) کے حصے میں آئی وہ ۱۳ کروڑ روپے میں امریکہ کی سیر ہے۔ بیٹے کی سند حاصل کرنے کی "بے سوادی" تقریب میں شرکت اور اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے!

میں بھول گیا ری کنڈیشنڈ کاروں کی درآمد رکی ہوئی تھی اپنے آصف زرداری صاحب نے تسبیح کے دانوں کے برابر کمیشن لے کر کاروں کو چلنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ ایک بات اور رہ گئی امریکہ بہادر نے کراچی کو ہانگ کانگ بنانے کے لئے اسٹی پروگرام ملتوی، رول بیک، یا "ہینڈی کیپ" کرنے کیلئے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی، امریکی چمک دمک کام کر گئی مگر نواز شریفی چمک وہ کام نہ کرسکی اور "وہ" کونسا کام تھا جو بے نظیر کے بغیر بند تھا؟ بقول ڈاکٹر مبشر حسن "وہ" کام چودہ ارب ڈالر کمیشن ہے جو اس مقتدر فیملی کو ملے گا۔ قارئین یہ ایک برس کی "کمائی" کی اجمالی اور جمالی جھلک تھی جو آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی گئی۔

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اس بے ادبی و گستاخی کی سزا یہ ہے کہ تم اچھی خوراک سے محروم، اچھے لباس سے محروم، اچھے مکان سے محروم، اچھی تعلیم سے محروم، اچھے علاج سے محروم، سوشل سیکیورٹی سے محروم، تحفظِ جان و مال سے محروم، ان محرومیوں کی بھینٹ چڑھ جاؤ۔

اور دخمۂ پاکستان میں مرجاؤ

قمرالحسنین

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی!

بعض لوگ صرف سیاسی وقار، مفاد اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے چولا بدلتے رہتے ہیں۔ وہ کیسے؟......
ویسے ہی جیسے جناب قاضی حسین احمد صاحب بالقابہ نے چولا بدلا ساتھ ہی جماعت اسلامی، اسلامی کم اور جمہوری سیاسی زیادہ ہو گئی اور پھر قاضی آ رہا ہے، ظالمو قاضی آ رہا ہے، وے قاضیا تینوں اکھیاں اڈیکدیاں۔ آجا.........
لیکن سر محفل نہ آنا تھا نہ آئے، وہ قاضی منہ چھپائے جا رہا ہے۔
مگر جناب قاضی صاحب نے تو جماعت اسلامی میں یہ تبدیلی پیدا نہیں کی بلکہ سید مودودی مرحوم کی خطاءِ اجتہادی یا خطاء عنادی سے یہ تبدیلی وقوع میں آئی وہ یوں کہ ۵۶ء میں جماعت اسلامی کا چھے روزہ شوریٰ کا اجلاس سندھ میں ہوا اس میں جماعت کو بحکم سید مودودی جماعت جمہوری و سیاسی بنایا گیا تھا اتنا عرصہ جماعت کے امامانِ ہُدیٰ میں امام سیاست کوئی نہ آیا تھا اس لئے پھسپھسی سیاسی جماعت تھی قاضی صاحب نے تو جماعت کو صحیح معنوں میں سیاسی عوامی جماعت بنایا جبکہ کچھ ریٹائرڈ فوجی بت عاج بن کے جماعت کی آستینوں میں آ بسے تھے جس پر قاضی صاحب کو گمانِ غالب کی حد تک امید تھی کہ وہ آ رہے ہیں لیکن ہوا یوں کہ چلے آ رہے ہیں حجامت کرا کے۔
بات آپ کی درست مگر یہ لب و لہجہ؟ تمہی بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے
جناب آپ برامان گئے مجھ سے زیادہ سخت سست تو وارث فکر مودودی نعیم صدیقی صاحب نے ہفت روزہ تکبیر کے صفحات میں لکھا انہوں نے تو قاضی کے وہ لتے لئے ہیں کہ توبہ ہی بھلی قاضی صاحب میں اگر احساسِ زیاں ہوتا تو نعیم صدیقی کے فکر مودودی سے مرصع تازیانے سے متاثر ہو کر چال بدل لیتے مگر یہاں وہی بے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے اسی اختلاف نما مسلسل مخالفت کی بنیاد پر ہی نعیم صاحب صدیقی ہوئے اور فکرِ مودودی لیکر الگ تھلگ دھونی رمانے کی ٹھانی ہے ویسے بھی نعیم صدیقی کی صداقت آمیزی میں علاقائی اثرات بھی ہیں آپ بھی خیر سے صدیقی کم اور چکوالی زیادہ ہیں اور اسی نسبت چکوالیت سے آپ بڑے مستقل مزاج واقع ہوئے ہیں کہ سرزمین چکوال طبعاً سنگلاخ واقع ہوئی ہے چکوال کے ایک اور صاحب بھی ہیں جنکو مظہر حسین کہا جاتا ہے اور قاضی کا سابقہ حسین احمد اور مظہر حسین میں مشترک ہے ان موصوف نے بھی بڑی "شرعی" تاویلوں سے چکوال کی ایک خاتون کی پولیٹیکل مدد کی ہے۔ اور ووٹ انہیں عطاء فرمائے

ہیں۔ اور یوں حضرت قاضی مظہر حسین اور جناب قاضی حسین احمد میں ایک اور قدر مشترک کا اضافہ ہو گیا۔ قاضی حسین احمد صاحب۔ سات سیٹوں پر بے نظیر قبضہ گروپ کی کامیابی کا سبب بنے ہیں لیکن ہیں سرف سبب......! نعیم صدیقی صاحب اور قاضی صاحب، آپ نے قاضی صاحبان کی بات کرتے کرتے نعیم صدیقی صاحب کی طرف ہینڈل موڑ دیا، بات کا رخ بدلا کریں تو کم از کم کچھ تبدیلی موضوع کی علامات بھی بتاتے جایا کریں۔ جناب میں نے ہینڈل موڑا نہ موضوع تبدیل کیا۔ موضوع ہے قاضی حسین احمد، نعیم صدیقی باقی باتیں بھی قاضی صاحب اور نعیم صدیقی صاحب سے متعلق ہیں۔ چلئے میں بات کا رخ بدل دیتا ہوں۔ لیجئے سماعت فرمائیں مولانا مودودی اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے جی بھر کر بعض صحابہ کبارؓ کو رگیدا اور باطل لکھا ہے۔ نعیم صدیقی چونکہ چکوال کے ہیں اسی نسبت سے ایسی خوفناک وراثت مودودی کے وارث ہیں جسکی وراثت سے قاضی حسین احمد خارج ہوگئے ہیں قاضی حسین احمد کہتے ہیں کہ سید مودودی کی جس بات سے اختلاف ہے جو بات غلط ہے وہ بالکل غلط ہے خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے اسکو درست ثابت کرنا نہ مودودی کا مطلوب تھا نہ عقل کا تقاضا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا معاویہ، سیدنا مغیرہ ابن شعبہ، سیدنا عمر بن عاصؓ اور انکی جماعت صادقہ کو سید مودودی اور قاضی مظہر حسین نے نہایت مکروہ الفاظ میں یاد کیا ہے اور رکیک ریمارکس پاس کئے ہیں نعیم صدیقی صاحب اسی فکر مودودی کی روشنی میں مزید روشنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ چکوالی ہونے کی نسبت بھی باقی رہی اور فکر مودودی کی روحانی نسبت بھی۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

محترم شاہ بلیغ الدین صاحب کی

تاریخی ـــــ تحقیقی ـــــ تصانیف

روشنی	قیمت مجلد ۶۵/۰۰	پیپر بیک ۵۰/۰۰
تجلی	قیمت مجلد ۷۵/۰۰	پیپر بیک ۶۶/۰۰
طوبیٰ	قیمت مجلد ۱۰۰/۰۰	
رزم حق و باطل	قیمت مجلد ۶۶/۰۰	جلد اول

سادہ زبان، دلکش انداز بیان رنگین کتابت وطباعت
اپنے شہر کے کتب فروش سے طلب کیجئے!

ملنے کا پتہ
۶۰/بی العریش سن سیٹ بلے وارڈ
نزد پی این۔ ایس شفا ڈیفنس کراچی۔

انٹرویو — سید محمد کفیل بخاری — روبرو
مہدی معاویہ

تیسری جنگ عظیم چھڑے گی۔ ایک طرف چین اور جاپان اور دوسری طرف امریکہ اور برطانیہ ہوں گے۔

جب تک جمہوری نظام کی جڑیں کھوکھلی کر کے اسے ختم نہیں کیا جاتا مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد مولانا محمد صدیق ولی اللہی سے گفتگو

مولانا محمد صدیق ولی اللّٰہی مدظلہ..... مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ رشید ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں وہ قافلہ عبید اللّٰہی کی یادگار ہیں۔ ایک عہد کی یادگار! ان سے مل کر، ان کی باتیں سن کر اور انہیں دیکھ کر ماضی کی بے شمار..... گم شدہ اور گم کردہ، فراموش شدہ اور فراموش کردہ..... شخصیتیں، عظمتیں، روایتیں، حکایتیں، اور حقیقتیں یاد آ جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

مولانا کی عمر اس وقت ۹۴ برس ہے۔ اور یہ ساری عمر انہوں نے مسافرت میں بسر کی ہے۔ ان کے نزدیک..... حکم بھی یہی ہے کہ..... "دنیا میں مسافر کی طرح رہو!" چنانچہ پاکستان بھر کے علمی مراکز، دینی مدارس اور شہر شہر میں موجود ان کے نیازمند، ہر وقت ان کی آمد کی توقع اور ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ مولانا، کہیں بھی، کسی بھی وقت، کسی کو بھی اپنی ملاقات سے مشرف اور اپنے علم سے مستفید فرما سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی ہے، نہ صفاہاں نہ سمرقند

حال ہی میں مولانا کی "اچانک" تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے..... "نقیب ختم نبوت" کے ارکانِ ادارت نے اس گفتگو کا اہتمام کیا۔ جسے اس شمارہ کا "مشمول" خاص کہنا چاہیے۔

(ادارہ)

★ آپ کی پیدائش کس سن میں اور کس جگہ ہوئی؟

● ۱۹۰۱ء نکودر ضلع جالندھر میں

★ آپ کا مکمل نام؟

● محمد صدیق ولد حکیم نظام الدین

★ آپ کے والد کا شغل کیا تھا؟

● وہ زمینداره کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حکمت بھی کرتے تھے۔ حکیم اجمل خان کے شاگردوں میں سے تھے اور انہوں نے شرح جامی تک دینی تعلیم جالندھر میں حاصل کی تھی۔

علی گڑھ کی اکثر کھیپ انگریز کی نمائندہ تھی۔

★ ابتدائی تعلیم کہاں ہوئی؟

● ضلع گجرات کے قصبہ "اَنہی" میں مولانا غلام رسول رحمہ اللہ کے پاس ہوئی جو فلسفہ کے نامور استاذ تھے۔ ان کے ہاں سے جو طالب علم تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند جاتا تو اس سے داخلے کا امتحان نہیں لیا جاتا تھا۔ یہاں میں نے قاضی مبارک تک تعلیم حاصل کی۔ اور اس وقت کے مروجہ درسِ نظامی کا نصاب مکمل کیا۔

★ "اَنہی" میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد کہاں تشریف لے گئے؟

● مزید تعلیم کیلئے اجمیر چلا گیا۔ وہاں مولانا معین الدین اجمیری کے مدرسہ معینیہ میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا اپنے دور کے نامور فلسفی اور مجلس احرارِ اسلام اجمیر کے صدر تھے۔ یہاں سے میں ٹونک چلا گیا۔ وہاں حکیم برکات احمد ٹونکی سے فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ پھر علی گڑھ میں گیا وہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے چند اسباق پڑھے۔ یہ فلسفہ میں پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے۔ اسی طرح ایک سال قرآن مجید کی تفسیر کا درس مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے لیا۔ جب کلکتہ میں انہوں نے مدرسہ دارالارشاد قائم کیا تھا۔

★ خاندان میں اور علماء بھی تھے؟

● میرے خاندان کے لوگ زمیندارہ کرتے تھے۔ صرف میرے والد صاحب نے چند دینی کتابیں پڑھیں۔

★ شادی کب ہوئی؟

● قریباً تیس سال کی عمر میں، اس وقت میں شاہکوٹ ضلع شیخو پورہ میں رہتا تھا۔ میرے دو بچے ہوئے محمد سعید اور عبدالرحمن دونوں بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ شادی کے چھے سال بعد میری اہلیہ بھی انتقال کر گئی۔

★ دوسری شادی کیوں نہ کی؟

● ضرورت ہر چند محسوس کی مگر بہ وجوہ نہ ہو سکی

★ آپ کی لائبریری میں اندازاً کتنی کتب ہوں گی؟

● پچاس ہزار کے قریب کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں قلمی نسخے بھی ہیں۔ خاص طور پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تفسیر کا قلمی نسخہ سورہٗ یونس سے لیکر سورہ کہف تک موجود ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی بخاری شریف کی قلمی تقریر ہے۔ اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھی جب امروٹ (سندھ) میں پڑھایا کرتے تھے تو اس وقت کی بخاری کی قلمی تقریر موجود ہے۔

★ آپ کسی سے بیعت بھی ہوئے؟

● مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوا تھا۔ پھر میں نے مولانا سید حسین احمد مدنی کی بیعت کر لی۔ مولانا

میں نے مجلس احرار اسلام کی مشہور تحریکِ کشمیر ۱۹۳۰ء میں حصہ لیا اور دو سال قید کاٹی۔

اشرف علی کی بیعت دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۹۲۰ء میں کی۔

★ مولانا تھانوی کی بیعت کو آپ نے کیوں ختم کر دیا؟

● مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی، ان سے تبادلۂ افکار ہوا تو میں نے حضرت تھانوی کو خط لکھ دیا کہ اب چونکہ حضرت شیخ الہند کا مسلک سامنے آ گیا ہے۔ اس لئے آپ سے بیعت کے تعلق سے فارغ ہوتا ہوں۔

پھر میں مولانا سندھی کے پاس گیا اور عرض کیا کہ "حضرت! اب میں آپ کے ساتھ مکمل طور پر متفق ہوں، پہلے لاعلمی میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب مولانا سندھی جلاوطنی ختم کرنے کے بعد کراچی میں قیام پذیر تھے۔

★ مولانا سندھی اور حضرت تھانوی کے مسلک میں کیا فرق تھا؟

● حضرت شیخ الہند کا فکر انگریز کے خلاف جہاد تھا۔ اور مولانا سندھی بھی انہی کے ساتھ تھے۔ مولانا تھانوی اجتہادی طور پر اینٹی انگریز موومنٹ میں شرکت کو درست نہ جانتے تھے۔ وہ ذرا کمزور طبیعت کے آدمی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ ہم اس کے مقابل میں نہیں آ سکتے۔

★ حضرت شیخ الہند سے پہلی ملاقات؟

● جب حضرت شیخ الہند قید سے رہا ہو کر مالٹا سے واپس آئے تو اسوقت ان سے ملاقات ہوئی۔ ان سے چند اسباق پڑھے اور اعزازی سند بھی حاصل کی۔ جو میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس دہلوی سے بھی بار ہا ملاقاتیں رہیں، میں ان سے مسلمانوں کے مختلف مسائل پر بات چیت کرتا، بعض باتیں فلسفیانہ انداز کی ہوتیں وہ جواب میں یہی فرماتے کہ میرے پاس تیری باتوں کا کوئی جواب نہیں۔۔۔۔۔ مولانا شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کے پاس خانقاہ رائپور میں رمضان المبارک کے مہینہ میں قیام رہتا۔ کئی مرتبہ حضرت رائپوری کی موجودگی میں خانقاہ میں درس قرآن مجید بھی دیا۔

بدقسمتی سے ہماری مذہبی قوتیں غیر اسلامی نظام ریاست "جمہوریت" کو ذریعہ نجات سمجھ بیٹھی ہیں۔

★ حضرت شیخ الہند کے حوالے سے کوئی یادگار واقعہ؟

● مجھے بس اتنا یاد ہے کہ جب حضرت شیخ الہند نے علی گڑھ میں تقریر کی تو کہا!

"میں اس قدر ضعف اور ناطاقتی کے باوجود علی گڑھ میں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے ذکر اللہ کی روشنی اور نمازوں کا نور نظر آرہا ہے۔ لوگوں کو جب کہا جاتا ہے خدارا! اٹھو، امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ۔ تو ان کے دل و دماغ پر غیر مسلموں کا خوف و ہراس چھا جاتا ہے۔ ان کو سوچنا چاہئیے کہ ڈرنے کے قابل صرف اللہ کی ذات ہے۔ "فقاتلوا فی سبیل اللہ" میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر میں علی گڑھ کی طرف ایک قدم آیا ہوں تو علی گڑھ میری طرف دس قدم آیا ہے۔"

اس موقع پر مولانا محمد علی جوہر کے سر پر دستار رکھی اور فرمایا۔

"جنکو ہم مدرسوں اور خانقاہوں میں ڈھونڈتے تھے وہ ہمیں اسکولوں اور کالجوں میں ملے۔ یہیں سے وہ مسٹر محمد علی سے مولانا محمد علی بنے۔ پھر حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ ہمارے اسلاف نے غیر ملکی زبان سیکھنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ اسکا اثر یہ ہوگا کہ لوگ ملحدانہ گستاخیاں کرنے لگ جائیں گے۔ اور ایسی تعلیم سے جاہل رہنا بہتر ہے۔ آج ہم اس زہر کو ختم کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں جو تعلیم میں سرایت کر گیا ہے۔ اور یہ زہر مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔ اسی طرح جب مدرسہ نظامیہ کی بغداد میں بنیاد رکھی گئی تو علماء نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا کہ اب علم کو حکومت کے عہدوں کے لئے پڑھا جائیگا۔" جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں وفاق المدارس میں بھی ہو رہا ہے۔

★ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ سے آپ کی پہلی ملاقات؟

● ۱۹۱۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات کیلئے پیدل سفر کر کے کابل گیا۔ امیر امان اللہ خاں کا دور تھا۔ اسی سال اس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ وہ دور ہے جب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری میدان سیاست میں آئے۔ میں نے کابل سے واپس آکر ۱۹۲۰ء میں درس حدیث کیلئے دارالعلوم

دیوبند میں داخلہ لیا۔ وہاں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ میرے دیگر اساتذہ میں مولانا رسول خان آف بفہ، حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ مولانا حافظ عبدالرحمن امروہوی جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے۔

★ مولانا سندھی سے پہلی ملاقات تو کابل میں ہوئی اس کے بعد مولانا سے آپ کا رابطہ کیسے رہا؟

● مولانا سندھی جب مکہ مکرمہ میں تھے تو ان سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رہا۔ ۱۹۳۹ء میں جب مولانا وطن واپس تشریف لائے تو ان سے باقاعدہ شاگردی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا جب کراچی میں جہاز سے اترے اور وہاں انہوں نے جلاوطنی کے ختم ہونے کے بعد پہلی تقریر کی تو اس موقع پر میں بھی سامع کی حیثیت سے موجود تھا۔ مولانا سے میں نے جامعہ ملیہ دہلی اور پیر آف جھنڈا (سندھ) میں پڑھا۔

★ مولانا سندھی کے حکم پر آپ نے کب اور کہاں کہاں کام کیا؟

● مولانا کے حکم سے ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) کے جامعہ ملیہ میں ۱۹۴۳ء میں پڑھانا شروع کیا۔ فلسفہ کا مضمون دیا گیا تھا جسے میں نے تقریباً آٹھ سال وہاں پڑھایا۔ فلسفہ میرا خاص موضوع تھا۔

★ مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار و نظریات پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

● مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار و نظریات کی ترجمانی کرتے تھے۔ ان نظریات کی اشاعت کیلئے انہوں نے "شاہ ولی اللہ سوسائٹی" قائم کی۔ اپنی جلاوطنی سے قبل انہوں نے دہلی میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا۔ جس میں جہاد کیلئے لوگوں کو عملی اور فکری طور پر تیار کیا جاتا تھا۔ اور یہ سب حضرت شیخ الہند کے مشورہ و تائید سے ہوا۔ حضرت شیخ الہند نے ہی مولانا سندھی کو ایک خصوصی مشن دے کر کابل بھیجا۔ تاکہ مولانا سندھی وہاں حضرت شیخ الہند کے افغانی شاگردوں میں تنظیم سازی کریں۔ مولانا سندھی اس سلسلہ میں سات سال کابل رہے۔ اس دوران آٹھ مہینے کیلئے ماسکو بھی گئے۔ جہاں انہوں نے کمیونزم کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ تین سال ترکی رہے۔ اس کے بعد اٹلی سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے۔ یہاں بارہ سال رہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار و

> **مولانا سندھی عصری علوم و فنون کی تعلیم اور انگریزی زبان سیکھنے کے زبردست حامی تھے۔**

نظریات کو پھیلانے کیلئے دروس قرآن کے حلقے قائم کئے۔ وہاں کے علماء اور عوام کو تفسیر قرآن پاک پڑھائی۔ اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی کتابیں بھی پڑھائیں۔ مولانا سندھی عصری علوم و فنون کی تعلیم پر بہت زور دیتے اور انگریزی زبان سیکھنے کے زبردست حامی تھے۔

انگریز جاتے جاتے اپنے نمائندے یہاں چھوڑ گیا۔

ان کے اس دور کے مشہور شاگردوں میں مولوی عبداللہ کلنٹن ملایا، مولانا عبداللہ لغاری جو سانگھڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ مولوی عبداللہ عمر پوری، علامہ موسیٰ جاراللہ جو بخارا ترکستان کے معروف عالم تھے۔ انہی نے مولانا سندھی کی عربی تفسیر قرآن قلم بند کی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد مدنی جو سندھ سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے سسر تھے۔ اور بھی کئی لوگ جو عرب باشندے تھے یا وہاں کے سرکاری عہدیداران تھے انہوں نے مولانا سے استفادہ کیا۔ سرحد کے مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اور حاجی ترنگزئی بھی آپ کے متاثرین میں سے تھے۔

★ مولانا سندھی کی ان تمام کوششوں کا مقصد کیا تھا؟

● ہندوستان سے انگریزوں کو نکالا جائے۔ اسی مقصد کیلئے وہ امیر امان اللہ خاں کے پاس گئے اور انگریزوں پر حملہ کرایا جس میں افغانستان کو ۱۹۱۹ء میں آزادی ملی۔ تب سفیر برطانیہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"آزادیٔ افغانستان، افغانوں کی فتح نہیں۔ یہ عبیداللہ سندھی کی فتح ہے۔ ہمارا افغانستان کیساتھ معاہدہ مکمل ہو چکا مگر اس پر دستخط اس وقت کریں گے جب عبیداللہ کابل چھوڑ کر چلا جائیگا۔

★ تحریک آزادی میں کس جماعت میں کام کیا؟

● مختلف جماعتوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اسلام اور کانگریس کے علاوہ سبھاش چندر بوس کی دہشت گرد پارٹی میں بھی رہا۔

★ مجلس احرار اسلام کی کن تحریکوں میں حصہ لیا؟

● میں نے مجلس احرار اسلام کی مشہور تحریک کشمیر ۱۹۳۰ء میں نمایاں حصہ لیا۔ ان دنوں جو قافلے کشمیر جاتے تھے ان کے ہمراہ انبالہ کے راستے کشمیر گیا۔ جموں میں دیگر ساتھیوں کے ہمراہ قید ہو گیا۔ دو سال قید کاٹی۔ رہائی کے بعد لاہور آ گیا۔ پھر جب قادیان میں احرار کا دفتر قائم ہوا تو مجھے وہاں بھیج دیا گیا۔ مولانا عنایت اللہ چشتی وہاں ہوا کرتے تھے۔ قادیان میں تین سال قیام رہا۔ وہاں احرار تبلیغ کانفرنس ۱۹۳۴ء کے موقع پر اسے کامیاب بنانے کیلئے بھرپور تیاریاں کیں۔ میرا وہاں بحیثیت مبلغ تقرر تھا لیکن کبھی تنخواہ نہیں لی۔ ایک مرتبہ قیام قادیان کے دوران مرزائیوں کے عبادت خانے میں جا نکلا۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر تھانے بھجوا دیا۔ جہاں انہوں نے میرا اتا پتا لے کر والد صاحب کو خط لکھا۔ جس پر میرے والد صاحب مجھے یہاں سے لے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کے تحت ۵۳ء کی برپا ہونے والی تحریک تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں مرکزی کنونشن کے موقع پر ۵۲ء میں کراچی گیا۔

یہیں حضرت امیر شریعت کے جانشین مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری سے ملاقات ہوئی۔ وہ حضرت امیر شریعت کے ہمراہ کنونشن میں شرکت کی غرض سے کراچی آئے تھے۔ اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ کراچی کنونشن میں شرکت کیلئے جانے والوں کو حکومت گاڑیوں سے اتار کر دور افتادہ علاقوں میں چھوڑ دیتی۔ اس پر ہم نے یہ ترکیب اختیار کی کہ ہر ڈبے میں ایک ایک، دو دو، ساتھی سوار ہوئے اور اس طریقے سے کراچی پہنچے۔ کنونشن کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت کو منظم کرنے کیلئے اندرون سندھ شہروں اور دیہاتوں کے دورے کئے۔ اور مؤثر افراد سے رابطہ کر کے انہیں تحریک میں شمولیت پر آمادہ کیا۔

★ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے کوئی یادگار ملاقات؟

● ملاقاتیں تو بہت ہیں لیکن اسوقت ضعیفی کی بنا پر دماغ سے بہت کچھ محو ہو چکا ہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ وہ ایک بات تکرار سے کہا کرتے تھے۔

"مجھے ایک چیز سے محبت ہے اور ایک چیز سے نفرت! قرآن سے محبت ہے اور انگریز سے نفرت ہے"

میں اکثر ان سے ملنے آیا کرتا تو وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے۔ وہ جن دنوں بیمار تھے انہی دنوں میں ملتان آ کر ان سے ملا۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام فرزندوں کو کہہ رکھا تھا کہ یہ جب بھی آئیں تو ان کا خیال رکھنا۔ خدمت میں کوتاہی نہ کرنا۔ الحمدللہ ابتک ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح شاہ جی کرتے تھے۔

★ آپ سبھاش چندر بوس کی پارٹی میں بھی رہے ان سے کوئی خاص ملاقات؟

● ———— انکی ہر ملاقات خاص ملاقات ہوتی۔ وہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کیلئے کسی بھی انتہائی اقدام سے گریز کے قائل نہ تھے۔ وطن کی آزادی ہی اُن کا پروگرام تھا۔ کلکتہ میں مولانا سندھی نے جو تقریر کی تھی اس میں سبھاش چندر بوس کو ایک مشن دیکر جاپان روانہ کیا تھا۔

★ اس وقت آپ بھی دہشت گرد تھے؟

● (ہنستے ہوئے) ایسا ہی سمجھ لیں۔

★ اس موقع پر مولانا سندھی نے کیا فرمایا تھا؟

● اس موقع کی تقریر تو ذہن میں نہیں البتہ دہلی میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں سبھاش چندر بوس بھی تھا۔ مولانا نے فرمایا "عنقریب دوسری جنگ عظیم چھڑنے والی ہے۔" مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے کہا

کہ مولانا جرمنی کا کیا ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ "جرمنی نے اگر روس سے ٹکر لی تو پاش پاش ہو جائے گا۔ ہٹلر اور مسولینی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ جہاں تک سیاسی چالبازیوں کا تعلق ہے انگریز یہ کوشش کرے گا کہ روس کو اپنے ساتھ ملا لے۔"

کسی نے کہا کہ مولانا! آپ کسی کی بات سنتے ہی نہیں۔ جرمنی کی فوجیں ماسکو تک پہنچ چکی ہیں۔ روس آج ہے یا کل ہے۔ زیادہ سے زیادہ جنگ خزاں تک چلے گی۔ مولانا شیر کی طرح گرج کر بولے۔ "تم بکتے ہو، دیکھ لینا روس کو ہرگز شکست نہیں ہوگی۔ تمہیں پتہ ہی نہیں اسکی ریزرو فوج کتنی ہے؟ وہ سائبیریا کے جنگلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ وہاں سے نکلے گی اور برلن میں آ کر رکے گی۔ برلن میں ہٹلر اور اسکی پارٹی کی موت پر دستخط کئے جائیں گے" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر کہا! "لوگوں کو فوجی تربیت حاصل کرنی چاہیئے۔ تا کہ انقلاب برپا کر کے ملک کے نظام کو چلا سکیں۔ وگرنہ ٹکے کا ایک انگریز ہوگا جو اس قوم پر حکمرانی کرے گا۔"

★ تقسیم ہند کے متعلق مولانا سندھی کی کیا رائے تھی؟

● ان کا خیال تھا کہ مرکز ایک ہونا چاہیئے۔ جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں ان کی مرضی کے خلاف کوئی قانون نہ بنایا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اپنے علیحدہ علیحدہ علاقے متعین کر لیں۔ مولانا نے دس ملکوں کی وحدتیں بنائیں۔ یہ جو پاکستان بنا ہے اس کی اسکیم مولانا سندھی سے علامہ اقبال نے اخذ کی۔ آپ مولانا سندھی کا منشور پڑھیں اس میں بتایا گیا ہے کہ ہم کس قسم کا قانون ملک میں لائیں گے۔ اس میں لکھا ہے کہ فوائد عامہ کی چیزیں قومی ملکیت قرار پائیں گی۔ ہر کاشتکار کو اتنی زمین دی جائیگی جتنی وہ کاشت کر سکے۔ مزدوروں کو کارخانے کے نفع میں حصہ دیا جائیگا۔ ان کیلئے صاف ستھرے گھر مہیا کئے جائیں گے۔ سودی کاروبار کو قطعاً ختم کر دیا جائیگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے پروگرام کا عنوان ہے "فک کل نظام" ہر بوسیدہ نظام کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ شاہ ولی اللہ "حجتہ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ جب کمانے والے کی کمائی پر غیر کمانے والا قبضہ کر لیتا ہے تو لاکھوں کروڑوں انسان اقتصادی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے اوقات میں انقلاب آنا حتمی اور یقینی ہوا کرتا ہے۔ چند افراد اٹھتے ہیں اور برسر اقتدار طبقہ کو بساط سیاست سے الگ کر دیتے ہیں۔

اگر ان میں طاقت نہ ہو اور قوم کی کشتی کا کھیون ہار نہ بن سکیں تو باہر سے کوئی طاقت آ کر نئے سرے سے نظام حکومت بناتی ہے۔ پہلا تمدن پھٹے ہوئے لباس میں اپنے ٹھکانے لگتا ہے۔ اگر تم اپنے ملک کے ظالم بادشاہوں کی حالت دیکھو تو تمہیں باہر کے ظالموں کی حالت دیکھنے کی ضرورت بھی نہ پڑے "البدور البازغہ" میں

شاہ ولی اللہ نے آج کے دور کا نقشہ کھینچا ہے۔

"ایسا دور آئیگا کہ زمین سے برکات ختم ہو جائیں گی۔ مصائب پے درپے آئیں گے۔ تکلیفیں یکے بعد دیگرے آئیں گی، تدبر دماغوں سے نکل جائیگا، ہر شہر میں ایک طرح کا عذاب ہو گا۔ بعض میں برق ہو گی بعض میں خسف ہو گا۔ عزتوں کو برباد کیا جائیگا۔ ملعونوں کی ایک جماعت ہو گی جس جگہ کسی (دیندار) کو پائیں گے قتل کر دینگے۔ پھر بھاگنے کی بھی جگہ نہ ملے گی۔ دہلی کو بھی میں ایسا ہی دیکھتا ہوں۔ ان فتنوں کا علاج ان وقوع سے پہلے ہے بعد میں مشکل ہو جائیگا۔ علاج یہ ہے کہ ایک تو اپنی تنظیم کرو دوسرا یہ کہ اللہ کی طرف رجوع کرو۔"

اسلام دو چیزوں کا نام ہے، مساوات انسانی، اور اللہ کی معرفت

★ برصغیر کی آزادی کیلئے علماء نے ہی جدوجہد کی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہی علماء سیاسی طور پر شکست کھا گئے؟

● اصل میں تقسیم ہند کے وقت ایسا ہوا کہ انگریز جاتے جاتے اپنے نمائندے یہاں چھوڑ گیا۔ علی گڑھ کی اکثر کھیپ انگریز کی نمائندہ تھی۔ اور آج ان کے نمائندے پاکستان پر مسلط ہیں۔ مگر آزادی تو علماء کی قربانیوں کی وجہ سے ملی۔ ان کے اس کردار کو تاریخ سے حذف نہیں کیا جا سکتا۔ کامیابی یا ناکامی کوئی معیار نہیں۔ اصل معیار کردار ہے۔ اور علماء حق کا کردار تاریخ کی بہت بڑی سچائی ہے۔ ہماری سیاست میں جھوٹ کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس لئے سچے لوگ اس سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ لیکن ایسا وقت ضرور آئے گا جب پورے ایشیاء سے یہود و نصاریٰ کا تسلط علماء کی وجہ سے ہی ختم ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

★ آزادی کے بعد ہندوستان کا کردار کیا ہے؟

● یہاں سے بالکل مختلف۔ پاکستان میں اسلام کا نام لیکر اسلام کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ وہاں نہیں ہوا۔ انہوں نے آزادی کے ہر کارکن کی قدر کی اور یہاں آزادی کے کارکنوں کو غدار کہا گیا۔

★ اپنے تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں ملک کی دینی و سیاسی صورت حال اور بین الاقوامی حالات کے بارے میں آپ کچھ کہیں گے؟

● میرے خیال میں تیسری جنگ عظیم چھڑے گی۔ ایک طرف چین اور جاپان ہو گا۔ دوسری طرف امریکہ اور برطانیہ ہو گا۔ جس میں امریکہ اور برطانیہ کو شکست ہو جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے غلبے کی شکل پیدا ہو گی۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے "تفہیمات الٰہیہ" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ۔

"میرا وجدان یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر سیاسی غلبے سے ہندوستان میں ہندوؤں کی مذہبی حکومت قائم ہو گئی تو ایسے حالات میں اس کے بڑے بڑے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو تقویت پہنچے گی۔

بقیہ ص ۳۲ پر

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد   صدر شعبہ اردو و اقبالیات   اسلامیہ یونیورسٹی۔ بہاولپور

اقبالؒ ـــــ اور ـــــ قادیانیت

پارسال ایک کتاب "اقبال اور احمدیت" منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کے مؤلف شیخ عبدالماجد نے اس ضخیم تالیف میں فرزند اقبال جسٹس (ر) جاوید اقبال کی کتاب "زندہ رود" کے بعض ابواب، عناوین اور مندرجات کی صحت کو چیلنج کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے قلم سے قادیانیت کے متعلق جو معرکہ آرا مقالات، مکاتیب، بیانات اور اشعار رقم ہوئے اور جن کی اشاعت سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو قادیانی نبوت کے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کو جاننے کا موقعہ ملا...... یہ سب کچھ اقبال کی ملی غیرت، دینی حمیت، ایمانی فراست اور اعتقادی بصیرت کا ہر گز آئینہ دار نہیں۔ بلکہ اقبال نے یہ سب کچھ ذاتی اغراض اور سیاسی مفادات کے پیش نظر لکھا۔ اور دراصل انہیں قادیانیت کے خلاف "مجلس احرار اسلام" نے "استعمال" کیا۔

زیر بحث کتاب کے قادیانی مؤلف نے جو کچھ لکھا یقیناً اسے یہی لکھنا چاہیے تھا لیکن حیرت ہے کہ اس کے جواب میں نہ جاوید اقبال نے زبان کھولی اور نہ کسی اور سرکاری یا غیر سرکاری اقبالی نے! از زیر نظر مضمون اس سلسلہ میں اولین جوابی تحریر ہے۔ اور ادارہ نقیب ختم نبوت اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یہ عجیب اور حیرت انگیز اتفاق ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اول میں برعظیم پاک و ہند کے میدان ادبیات و سیاست کے افق پر تین عظیم شخصیات نمایاں ہوئیں اور تینوں کے بڑے بھائی قادیانی تھے۔ لیکن مولانا محمد علی جوہر اس اعتبار سے خوش قسمت ثابت ہوئے کہ ان کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہو گیا۔ پھر ان کا انتقال انگلستان اور تدفین فلسطین میں ہوئی نیز مسلمانان برعظیم پر ان کے اثرات تحریک خلافت کے استثناء کے ساتھ کچھ زیادہ گہرے نہیں پڑے۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد ایک زمانے میں مسلمانان پاک و ہند کی آنکھوں کا تارا ضرور بنے رہے لیکن آل انڈیا کانگرس سے وابستگی اور مسلم لیگ کی مخالفت و تحریک پاکستان کے خلاف سرگرمیوں کے سبب قبول عام حاصل کرنے کی بجائے ناپسندیدگی کا نشان بن گئے۔ یوں ان دونوں شخصیات کو کسی خاص جماعت یا گروہ سے وابستہ ظاہر کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ غالباً اسی لئے اسطرح کی

کوششیں بھی نہیں کی گئیں۔ لیکن علامہ اقبال اپنے شعری، فکری اور سیاسی کارناموں کے باعث جتنے مقبول اپنی زندگی میں تھے وفات کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گئے۔ پھر یہی نہیں بلکہ وہ پاکستان و ہند کی تحدیدات سے نکل کر ممدوحِ عالم کے مرتبے پر فائز ہو گئے اور جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے ویسے ویسے اقبال کے قدر دانوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اقبال کے لئے یہ قبولِ عام جس قدر باعث اعزاز ہو سکتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مصیبت خیز ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ یار لوگ ان کی فکر کو سمجھے بغیر اور ان کے پیغام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان کے استحصال میں لگ گئے۔

ہمارے ملک میں ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر گروہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اقبال کو ذریعہ بنانے میں لگا ہوا ہے۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ متصادم نظریات و خیالات کے حامل لوگ بھی اپنے اپنے نقطۂ نظر کے لئے سند کے طور پر اقبال ہی کو تختۂ مشق بناتے ہیں۔ مثلاً ایک زمانے میں سرمایہ داری نظام کے حامی

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

کا حوالہ دے کر اقبال کو اشتراکیت کا مخالف قرار دینے کی کوشش کرتے تھے جبکہ اشتراکیت کے حامی "اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو" والے مصرع سے اقبال کو کارل مارکس کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اشتراکی ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اس طرح سادہ لوح لوگوں کو بہکانے میں مدد مل سکتی تھی۔ چنانچہ قادیانیوں نے بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اقبال کے نام کو استعمال کرنے کی کوششیں کیں اور ایسی کوششیں اب تک جاری ہیں۔

قادیانیوں کی اس نوع کی کوششوں کے لئے جو حقائق یا مفروضے بنیاد بن رہے ہیں ان میں علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اور بڑے بھائی شیخ عطا محمد۔ بھتیجے شیخ اعجاز احمد اور استاد مولوی میر حسن کی قادیانیت یا قادیانیت کی طرف میلان، قادیان میں آفتاب اقبال کی تعلیم، اقبال کے کچھ مضامین بطور خاص "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں قادیانی فرقے کی تعریف، والدۂ جاوید کی رخصتی سے پہلے قادیانیوں کے خلیفہ اول حکیم نور دین سے از سر نو نکاح کرنے یا نہ کرنے سے متعلق استفسار اور کشمیر کمیٹی کی صدارت کے لئے مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت پر اتفاق نیز خود علامہ اقبال کی مرزا صاحب سے بیعت وغیرہ شامل ہیں اور بظاہر یہ اتنے مضبوط حوالے ہیں کہ اگر یہ حوالے کسی بھی شخص سے متعلق کر دیئے جائیں تو پھر اسے قادیانی ہونے سے نہیں بچایا جا سکتا۔ لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارا موضوع کوئی عام شخص نہیں بلکہ اقبال ہے جو ایک ہی سانس میں اشتراکیت کی تحسین بھی کرتا ہے اور تنقیص بھی۔ جو جمہوریت کو بہترین سیاسی نظام بھی

سمجھتا ہے اور اس کی خرابیاں بھی گنواتا ہے۔ جو مسولینی اور مصطفےٰ کمال پاشا کی تعریف کرتے بھی نہیں تھکتا لیکن ان کی خبر بھی خوب خوب لیتا ہے۔ اس اقبال پر نہ تو کوئی فتویٰ لگانا آسان ہے اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی خاص اور محدود دائرے میں مقید کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک قادیانیت اور اقبال سے متعلق حقائق اور مفروضوں کا تعلق ہے ان کا جائزہ لینے سے قبل یہ جان لینا چاہیئے کہ بعض صنعتوں میں صف اوّل کا شہر ہونے کے باوجود آج بھی سیالکوٹ پاکستان کے بڑے شہروں میں شمار نہیں ہوتا اور اقبال کی پیدائش سے بھی تیرہ سال پہلے ۱۸۶۴ء میں جب مرزا صاحب یہاں بہ سلسلہ ملازمت مقیم رہے ہوں۔ تو تصور کیا جاسکتا ہے کہ سیالکوٹ کیا اور کتنا بڑا شہر ہو گا؟ ایسے میں ایک سرکاری ملازم اور وہ بھی کچہری میں اہلمد سے کس کس کے تعلقات اور شناسائی نہ ہو گی۔ یقین کرنا چاہیئے کہ انہی تعلقات کے باعث محدث اور مجدد کے دعووں کے وقت بہت سے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہو گا۔ انہی میں شیخ نور محمد بھی شامل رہے ہوں۔ چنانچہ کسی موقع پر انہوں نے بیعت بھی کرلی ہو گی لیکن طبعِ سلیم کے شیخ نور محمد بہت عرصے تک ساتھ نہ نبھاسکے اور جلد ہی مرزا صاحب کے اثر سے نکل آئے۔ اس سلسلے میں شیخ عطا محمد کے بیٹے شیخ اعجاز احمد، مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نور دین سے شیخ نور محمد کے تعلقات، عقیدت اور بیعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۱۹۰۲ء میں جب ہماری منجھلی پھوپھی "طالع بی" کا انتقال ہوا تو سیالکوٹ کے احمدی حضرات ان کے جنازے میں شامل نہ ہوئے۔ اس پر میاں جی نے حضرت میر حامد شاہ------ کی زبانی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو پیغام بھیجا کہ "میں عمر رسیدہ ہوں آپ کے ساتھ اس قدر تیز نہیں چل سکتا۔" ------ ان کے متعلق صرف یہ کہنا کہ وہ احمدی نہ تھے نامکمل بات ہو گی۔ ہاں یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ ابتداء میں جماعت میں شامل ہوگئے تھے لیکن ۱۹۰۲ء میں جماعت سے الگ ہوگئے۔" (۱)

گویا شیخ نور محمد کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ قادیانی جماعت میں شامل ہوئے بھی تھے تو فوراً اس سے الگ بھی ہوگئے۔ لیکن شیخ عطا محمد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اعجاز احمد کے بقول ان کے والد احمدی تھے جبکہ شیخ عطا محمد کے ایک دوسرے صاحبزادے اور ایک دختر کے نزدیک شیخ عطا محمد بھی مرزائیت سے تائب ہوگئے تھے۔ غالباً اس لئے ان کی جنازے کی نمازیں بھی دو ہوئیں۔ اس کے علاوہ خود شیخ اعجاز احمد لکھتے ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ جاوید کے راویوں نے ۱۹۱۴ء کے بعد ابا جان کے احمدیوں کے کسی ایک فریق کے ساتھ شامل نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالا ہو گا۔" (۲)

ہم جانتے ہیں کہ احمدیوں (مرزائیوں) کے دو ہی گروہ ہیں یعنی قادیانی اور لاہوری۔ لیکن شیخ اعجاز احمد

خود تسلیم کرتے ہیں کہ شیخ عطا محمد نہ لاہوری تھے اور نہ قادیانی گروپ میں شامل ہوئے پھر معلوم نہیں کہ وہ کیسے مرزائی تھے۔ اسی طرح شیخ اعجاز احمد اپنی کتاب میں شیخ عطا محمد کے ایک خط کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس میں شیخ عطا محمد اپنی مرزائیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میں خود بھی تو مرزائی ہوں لیکن مجھ میں ان میں صرف جنازے کے فرق کا سوال ہے'' (۳)

یعنی شیخ عطا محمد ایسے قادیانی تھے جن کا تعلق نہ لاہوری گروپ سے تھا اور نہ قادیانی گروپ سے نیز جنازے کے سوال پر بھی ان کا اختلاف تھا۔ اس کے باوجود اگر شیخ عطا محمد کو بقول شیخ اعجاز احمد احمدی مان لیا جائے تو بھی اس سے علامہ اقبال کا قادیانی ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ خود اقبال جیسے چچا کے خیالات اعجاز احمد پر اپنا اثر نہ ڈال سکے اور نہ انہیں لنکے ماموں متاثر کرسکے جن کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

''میرے ماموں شیخ غلام نبی بڑے نیک اور شریف النفس بزرگ تھے۔ لیکن عقیدۃً کٹر وہابی اور احمدیت کے مخالف'' (۴)

اگر چچا اور ماموں شیخ اعجاز احمد کو متاثر نہ کرسکے تو یہ کیوں فرض کرلیا جائے کہ محض بھائی کی احمدیت کے باعث علامہ اقبال بھی احمدی ہوگئے ہوں گے۔

اپنے خاندان کے بزرگوں کے برعکس شیخ اعجاز احمد البتہ آخر تک مرزائیت پر قائم رہے اور اس کا علم اقبال کو بھی تھا۔ اس حوالے سے شیخ عبدالماجد سوال اٹھاتے ہیں کہ جب اقبال کو اعجاز کی قادیانیت کا علم تھا تو وہ اسے ایک نیک اور صالح نوجوان کیوں لکھتے ہیں۔ (۵) اس کا بڑا سیدھا سا جواب ہے کہ شیخ اعجاز احمد بھی تو اپنے ''کٹر وہابی اور احمدیت کے مخالف'' ماموں کو نیک اور شریف النفس لکھتے ہیں۔ یعنی اکثر اوقات ذاتی نیکی اور شرافت کا عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اعجاز احمد تو ایک طرف ہیں تو حضرت ابوسفیان کے کردار کے اس پہلو کا معترف ہوں کہ آنحضرت ﷺ سے بدترین دشمنی کے باوجود انہوں نے اپنے زمانہ کفر میں بھی دربار قیصر روم میں آنحضرت ﷺ کی تعریف و تحسین کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا اور یہ خود علامہ اقبال کے کریڈٹ میں جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائی اور بھتیجے کے عقائد سے واقفیت کے باوجود ان کی کردار کشی کرنے کی بجائے ان کی شخصی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اقبال کے اس خاندان کی احمدیت اور اس کے باعث اقبال کو احمدی ثابت کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ خود بقول شیخ اعجاز احمد ان کے خاندان میں شیخ نور محمد کی طرف سے احمدی گروہ سے الگ ہو جانے کے بعد گھر میں کبھی احمدیت کا تذکرہ نہیں سنا گیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

''میاں جی کے جماعت احمدیہ سے علیحدگی کے بعد ہوش سنبھالنے پر میں نے گھر میں احمدیت کا چرچا نہیں سنا۔'' (۶)

اسی طرح بقول پروفیسر محمد اسلم ۳ فروری ۱۹۵۴ء کو شیخ اعجاز احمد کے انتقال کے بعد شیخ نور محمد کے اخلاف میں سے کوئی بھی قادیانی نہیں رہا۔ (۷)

رہے علامہ اقبال کے استاد مولوی میر حسن تو بلاشبہ اقبال کو ان سے آخر وقت تک بے حد عقیدت رہی۔ لیکن اول تو مولوی میر حسن کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیسے عقائد رکھتے تھے! مثلاً بعض لوگ انہیں قادیانی کہتے ہیں تو بعض کے نزدیک وہ صحیح العقیدہ حنفی مسلمان تھے جیسا کہ معروف اقبال شناس ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مولوی میر حسن کے مسلک اور آزاد خیالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دراصل بات یہ ہے کہ اگرچہ شاہ جی عملاً حنفی مسلک کے پیرو تھے۔ لیکن مذہبی معاملات میں رواداری اور فراخ دلی برتتے تھے۔" (۸)

اس کے باوجود جو لوگ مولوی میر حسن کو قادیانی ثابت کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بات ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ مولوی صاحب کے سر سید احمد خان کے ساتھ بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ نیز ان لوگوں کو مولانا عبدالمجید سالک کی تصنیف ضرور دیکھنا چاہیئے جس میں مولانا میر حسن سے مرزا صاحب اور حکیم نور دین کے تعلقات کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ ان عبارتوں سے یوں لگتا ہے کہ جیسے مسیح و مہدی مرزا صاحب نہیں بلکہ میر حسن تھے۔ (۹) اور حکیم نور دین خلیفہ اول نہیں بلکہ میر حسن کے بے تکلف دوست تھے۔ جن سے چھلیں بھی جائز تھیں اور جملے بازی بھی۔ (۱۰) لیکن اگر مولوی میر حسن کو قادیانی بھی مان لیا جائے تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اثر سے علامہ اقبال بھی قادیانی ہو گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ تو بعد ازاں ایسے اساتذہ سے بھی پڑھے تھے جو عیسائی تھے اور اقبال کو ان سے عقیدت مندانہ تعلق بھی تھا مثلاً پروفیسر ٹامس آرنلڈ۔ تو کیا یہ سمجھنا چاہیئے کہ علامہ اقبال خدانخواستہ ایک استاد کی وجہ سے قادیانی اور دوسرے کی وجہ سے عیسائی ہو گئے ہوں گے۔ حالانکہ ہم سب خود اپنے اپنے زمانہ طالبعلمی میں مختلف عقائد رکھنے والے اساتذہ سے پڑھتے ہیں لیکن ان اساتذہ کی پیروی میں اپنا مسلک نہیں بدلتے

جہاں تک علامہ اقبال کی ذاتی زندگی اور ان کے بیانات کا تعلق ہے تو اس میں بظاہر بعض چیزیں تعجب خیز ہیں۔ کچھ چیزیں اقبال پر قادیانیت کا الزام لگانے والوں کے لئے اور کچھ ہمارے لئے۔ مثلاً ہمارے لئے یہ امر باعث تعجب ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے فرزند آفتاب اقبال کو قادیان بھیج کر وہاں کے تعلیم الاسلام سکول میں داخل کرایا تھا۔ (۱۱) لیکن غور کیا جائے تو یہ اس زمانے کی بات ہے جب علامہ اقبال پر قادیانیت کی حقیقت نہیں کھلی تھی اور یہ اسے بھی مسلمانوں کے بہت سے دوسرے فرقوں کی طرح کا ایک فرقہ تصور کرتے تھے۔ جب حقیقت کھلی تو اقبال بیزار ہو گئے اور بیزاری بغاوت تک جا پہنچی جیسا کہ اقبال خود لکھتے ہیں۔

"کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیے۔(۱۲) تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے۔ معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستے پر پڑجائے گی۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا۔ جب ایک نئی نبوت...... بانیٔ اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔(۱۳)

حضرت علامہ کا یہ اقتباس ان لوگوں کے لئے بھی کافی ہونا چاہئیے جو ان کے بعض مضامین مثلاً ۱۹۰۰ء میں انڈین اینٹی کوئیری میں چھپنے والے مضمون اور ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ میں پڑھے گئے مضامین کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن میں بالترتیب علامہ اقبال نے مرزا صاحب کو "موجودہ دور کے ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے بڑادینی مفکر" (۱۴) اور قادیانیوں کے طرز حیات کو اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ قرار دیا ہے۔(۱۵) ان باتوں کا ذکر ذرا آگے بھی آئے گا۔ لیکن ہمارے لئے باعث تعجب امر یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال نے ۱۹۰۲ء میں بعض فقہی مسائل کے لئے حکیم نور دین سے رجوع کیا۔(۱۶) یا ایک ذاتی معاملے میں فتویٰ کی ضرورت پڑی تو بھی حکیم نور دین سے رجوع کیا گیا۔(۱۷) اسی طرح علامہ اقبال نے بشیر الدین محمود کی علمیت کی تعریف کی(۱۸) اور پھر انہیں کشمیر کمیٹی کا صدر بنوایا۔(۱۹) دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر لندن کی مسجد احمدیہ میں گئے اور وہاں قرآن سنانے پر انعام دیا۔(۲۰) یہ اور اسی طرح کی دوسری بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں یقیناً حیرت انگیز ہیں۔

لیکن ذرا سا غور کیا جائے اور شخصیات و تحریکات کے بارے میں اقبال کے طریق کار سے متعلق قدرے آگہی ہو تو یہ سب باتیں تعجب خیز نہیں رہتیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اقبال شخصیات و تحریکات کے بارے میں اپنی آراء بے کم و کاست اور بلا مصلحت و تعصب دینے کے عادی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ عام لوگوں کی روش یعنی اپنی رائے پر آنکھیں بند کر کے ڈٹ جانے اور نظر ثانی نہ کرنے کے بھی عادی نہیں مثلاً ایک زمانے میں انہوں نے مسولینی کے بارے میں لکھا۔

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب
ندرت فکروعمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
رومتہ الکبریٰ! دگرگوں ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے
وہ کہ ہے جس کی نگہ مثل شعاعِ آفتاب
(۲۱).

لیکن صرف چار سال بعد علامہ اقبال نے اسی عنوان سے ایک اور نظم لکھی جس میں مسولینی اپنے مظالم کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا، جرم
بے محل بگڑا ہے معصومانِ مغرب کا مزاج
میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو برا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھاج
میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج
آلِ سیزر چوب نے کی آبیاری میں رہے
اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج
پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کُشی
کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج
(۲۲)

یعنی جب مسولینی اطالیہ کی بیداری کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اقبال اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن جب مسولینی ہوس ملک گیری کا شکار ہو کر دیگر یورپی استعمار کی طرح اپنے کمزور ہمسائیوں کو نشانہ بناتا ہے تو اقبال اپنی پرانی رائے کا لحاظ کئے بغیر اس کی مذمت کرتے ہیں۔ بانگ درا کی نظم خضر راہ اور پیام مشرق میں اقبال نے انقلاب روس اور وہاں کے اشتراکی نظام کو جس طرح سراہا ہے اس کے ساتھ جاوید نامہ اور ارمغان حجاز کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کو پڑھ کر اوپر دی گئی رائے کی توثیق ہوتی ہے۔ پیام مشرق میں اقبال نے مصطفےٰ کمال پاشا کو "ایداللہ" (۲۳) تک کہہ دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ جب اتاترک نے اسلامی شعائر کا مذاق اڑانا چاہا تو اقبال نے جاوید نامہ میں اسے خوب لتاڑا اور ایک دوسری جگہ یہاں تک کہہ دیا۔

نہ مصطفےٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ مشرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

کارل مارکس اور نطشے کے بارے میں اقبال کا یہ مصرع "قلب او مومن دماغش کافر است" اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اقبال کی آراء یک رخی اور متعصبانہ نہیں ہوتیں۔ یہی حال قادیانیت اور قادیانی گروہ کا بھی ہے۔ اقبال نے اس تحریک اور تحریک کے افراد میں جو خوبیاں دیکھیں ان کا اعتراف نہایت خوش دلی سے کیا۔ لیکن جس طرح مغربی تمدن کے بعض اوصاف کے اعتراف کے باعث اقبال کو عیسائی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح قادیانی گروہ کی بعض خوبیوں کا اعتراف بھی اقبال کو قادیانی ثابت نہیں کر سکتا۔ جبکہ بعض امور میں وقت کا اقتضاء بھی پیش نظر ہو۔ مثلاً کشمیر کمیٹی کے لئے مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت وغیرہ۔ اس سلسلے میں خود شیخ اعجاز احمد کو اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں۔

"علامہ اقبال نے تجویز کیا کہ جماعت احمدیہ کے امام اس کمیٹی کے صدر ہوں۔ ان کے پاس مخلص اور کام کرنے والے کارکن بھی ہیں اور وسائل بھی۔" (۲۴)

یعنی اگر مخلص کارکن اور ضروری وسائل کسی اور کے پاس ہوتے تو بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنانا ضروری نہیں تھا۔

جہاں تک بعض فقہی مسائل کے بارے میں مرزا صاحب سے استفسار اور اپنے ذاتی شرعی مسئلے میں حکیم نورالدین سے فتوی کے حصول کا تعلق ہے تو ان قصوں کے راوی مرزا جلال الدین، عبدالمجید سالک (۲۵) اور شیخ اعجاز احمد (۲۶) یعنی سب کے سب یا تو قادیانی ہیں یا پھر قادیانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جو ہر صورت میں علامہ اقبال کو بھی اپنے گروہ میں کھینچ لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ لیکن فقہی اور ذاتی مسائل میں قادیان سے استمداد کی کہانی کو رد کرنے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۰۲ء میں نہ سہی، والدہ جاوید کی رخصتی کے اہتمام کے وقت فقہ اسلامی سے اس قدر ضرور واقف ہو چکے تھے کہ روزمرہ مسائل کے بارے میں از خود کوئی رائے قائم کر سکیں مثلاً والدہ جاوید سے از سر نو نکاح کا معاملہ تو مجھ ایسا دین کی مبادیات تک سے ناواقف آدمی بھی بخوبی سمجھتا ہے۔ مثلاً میں کہہ سکتا ہوں کہ پیش آمدہ صورت حال میں یا تو طلاق ہو گئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ اگر نہیں ہوئی تھی تو از سر نو نکاح کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر طلاق ہو گئی تھی تو شرعاً از سر نو نکاح کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ معلوم نہیں کہ اقبال جیسے مفکر اسلام کو اس واضح معاملے کے لئے استفسار کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ غور کیجئے تو یہی باتیں معاملے کو الجھانے کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن ذرا سے غور اور تدبر سے حقیقت حال سامنے آ جاتی ہے۔ اگر مفروضے کے طور پر اس واقعے کو حقیقت مان لیا جائے تو بھی حکیم نورالدین صاحب کی دینی معلومات کا حال کھل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اقبال کو قادیانی اور احمدی ثابت کرنے کے لئے ۱۸۹۷ء میں بعض تعلیم یافتہ دوستوں کے ساتھ قادیان جا کر اقبال کی بیعت تک کے واقعات گھڑ لئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالماجد، مولانا شیخ عبدالقادر، بشیر

احمد ڈار، خواجہ کمال الدین اور مولانا می الدین قصوری کی روایات کے ذریعے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اقبال نے بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے بیعت کی تھی۔ وہ مولانا شیخ عبدالقادر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مارچ ۱۸۹۷ء میں ۔۔۔۔۔۔۔ مولوی محمد علی صاحب، چودھری سر شہاب الدین صاحب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اور مولوی غلام می الدین صاحب قصوری اور خاکسار نے بیعت کرلی۔" (۲۷)

فرض کیا ایسا ہے اور اقبال اس بیعت کے سبب ۱۹۳۱ء تک قادیانی رہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں انہیں بیعت کی دعوت کیوں دی گئی؟ اور اس دعوت کے جواب میں اقبال نے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ پہلے ہی بیعت کر چکے ہیں یا یہ کہ وہ تو بیعت کر چکے تھے۔ لیکن اب ان کے خیالات بدل چکے ہیں وغیرہ۔ یہ سب کچھ کہنے کی بجائے اقبال نے ایک نظم (۲۸) کیوں لکھ بھیجی جس کے رد عمل میں پیغام بیعت بھیجنے والے نے بھی جوابی نظم لکھی۔ لیکن اس کے باوجود اقبال کو بیعت یا از سر نو بیعت پر آمادہ نہ کیا جاسکا۔ اس سلسلے میں شیخ اعجاز احمد کا بیان حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اقبال کی نظم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے اقبال نے بیعت نہیں کی ہوئی تھی۔ اگر کی ہوتی تو یہ پیغام کیوں بھیجا جاتا۔" (۲۹)

اس سے پہلے میں نہیں بلکہ اقبال نے اس کے بعد بھی کبھی بیعت نہیں کی۔ کی ہوتی تو اقبال کی طرف سے قادیانیت کے خلاف دیئے گئے بیانات کے بعد اس سلسلے میں ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا۔ مثلاً لاہور میں پنڈت نہرو کے استقبال کے سلسلے میں میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنے ایک خطبے میں معترضین کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اگر پنڈت جواہر لال نہرو اعلان کر دیتے کہ احمدیت کو مٹانے کے لئے وہ اپنی تمام طاقت خرچ کر دیں گے جیسا کہ احرار نے کیا ہوا ہے تو اس قسم کا استقبال بے غیرتی ہوتا لیکن اگر اس کے برخلاف یہ مثال موجود ہو کہ قریب کے زمانہ ہی میں پنڈت صاحب نے ڈاکٹر اقبال صاحب کے ان مضامین کا رد لکھا ہے جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیئے جانے کے لئے لکھے تھے اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے احمدیت پر اعتراض اور احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا سوال بالکل نامعقول ہے اور خود ان کے گزشتہ رویہ کے خلاف ہے۔۔۔۔۔۔۔ (۳۰)

غور کیجئے کہ اگر اقبال نے کسی زمانے میں بیعت کی ہوتی تو پھر صرف ان کے گزشتہ رویے کا ذکر نہ کیا جاتا بلکہ ان کی گزشتہ بیعت کا ذکر کیا جاتا۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بھی کہہ دینا چاہیئے کہ اس زمانے تک اقبال اسی لئے تو احمدیت کے شدت سے مخالف ہو گئے تھے۔ کہ احمدیت کے تحفظ کے لئے پنڈت نہرو

جیسے دشمنان ملت اسلامیہ برسر کار آ چکے تھے۔ ویسے قادیانیت کے بارے میں علامہ اقبال کی گزشتہ تحریروں کو بھی بڑے غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یوں کہ علامہ اقبال اپنے اصل مضامین میں وہ کچھ کہتے نظر نہیں آتے جو ان کے مضامین کے تراجم میں نظر آتا ہے۔ اس کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی اور وہ یہ کہ علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون The Muslim Community___A Sociological Study

لکھا ہے۔ اس کا سب سے پہلا ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا۔ یہ ترجمہ تو فوری طور پر میرے پاس موجود نہیں البتہ شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب "مظلوم اقبال" میں موضوع جملے کا ترجمہ درج ذیل الفاظ میں مولانا ظفر علی خان کے حوالے سے یوں لکھا۔

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔" (۳۱)

افکار اقبال میں ڈاکٹر ریاض احمد نے یہ ترجمہ یوں کر دیا۔

"پنجاب میں بنیادی طور پر مسلم طرز کے کردار کا زوردار ظہور قادیانی نام کے فرقے میں ہے۔" (۳۲)

جبکہ مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد میں اس جملے کے ترجمے کو سرے سے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ محض اتفاقات ہیں یا ان تحریفات کے پیچھے کوئی خاص سوچ کارفرما ہے کہ اقبال نے تو اپنے اصل مضمون میں قادیانی فرقے کی تعریف کرتے ہوئے کچھ اور الفاظ استعمال کئے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا۔

"In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in the Socalled Qadiani-Seet (33)"

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ اقبال کے اس جملے میں موجود لفظ "Socalled" کا ترجمہ کسی بھی مترجم نے نہیں کیا۔ یہی حال "سب سے بڑے دینی مفکر" والے جملے کا بھی ہے اقبال نے یہاں بھی "Probably" (۳۴) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جسے اکثر مترجمین حذف کر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود گزشتہ اور موجودہ رویے کے سلسلے میں حرف اقبال میں شامل اقبال کے یہ جملے قابل غور ہیں۔

"اگر میرے موجودہ رویہ میں تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے۔" (۳۵)

اقبال کے اعتقادات و عقائد دیکھ کر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ انہیں قادیانی مذہب سے کس قدر ہمدردی ہو سکتی تھی۔ مثلاً مرزا صاحب جس جوش و خروش کے ساتھ رد جہاد کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے پیش نظر اقبال کو قادیانیت سے ویسی ہی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ جتنی نطشے کو مساکین کے مذہب عیسائیت سے

تھی اور یہ حقیقت تو اپنی جگہ ہے کہ موجودہ دور میں اقبال کو کسی نبی، رسول اور پیغمبر تو درکنار کسی عیسیٰ اور مہدی کا بھی انتظار نہیں۔ (۳۶) جبکہ عقیدہ ختم نبوت پر ان کا ایمان ان کے اشعار سے بھی ثابت ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارہ راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
وہ نبوت ہے مسلماں کیلئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کے تو تمام ابتدائی دعووں کو نظر انداز کر کے انہیں ان کے آخری دعوے کے مطابق نبی مان لیا جائے لیکن اقبال کے ابتدائی جملوں میں بھی تحریف کر کے انہیں قادیانی قرار دیا جائے اور ان کے فکری پختگی کے زمانے کے مضامین و مقالات کو احرار کی سازش کہہ کر رد کرنے کی سعی کی جائے بالفرض یہ درست بھی ہو تو احرار کا یہ کارنامہ میرے نزدیک ان کی تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود ان کے لئے نجات اخروی کا سبب بن جائے گا۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔

حوالہ جات

(۱) مظلوم اقبال از شیخ اعجاز احمد صفحہ نمبر ۱۸۵ مطبوعہ شیخ شوکت علی پرنٹرز اشاعت اول ۱۹۸۵ء

(۲) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۹

(۳) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۸

(۴) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۸

(۵) اقبال اور احمدیت از شیخ عبدالماجد صفحہ نمبر ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶۔ مطبوعہ لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور ۱۹۹۱ء

(۶) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۶

(۷) پروفیسر محمد اسلم سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایک گفتگو بتاریخ چھ فروری ۱۹۹۴ء

(۸) عروج اقبال از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی صفحہ نمبر ۲۸۔ بزم اقبال لاہور طبع اول جون ۱۹۸۷ء

(۹) ذکر اقبال از عبدالمجید سالک صفحہ نمبر ۲۷۸۔ بزم اقبال لاہور۔

(۱۰) ذکر اقبال از عبدالمجید سالک صفحہ نمبر ۲۸۳ بزم اقبال لاہور۔

(۱۱) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶

(۱۲) جیسا کہ متن میں ہے۔

(۱۳) حرف اقبال۔ مولفہ لطیف احمد شروانی صفحہ نمبر ۱۳۲-۱۳۱ المنار اکادمی لاہور۔ جولائی ۱۹۴۷ء
(۱۴) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۵
(۱۵) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶
(۱۶) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۵
(۱۷) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶، ذکر اقبال از عبدالمجید سالک صفحہ نمبر ۷۰
(۱۸) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶، ذکر اقبال از عبدالمجید سالک صفحہ۔نمبر ۷۰
(۱۹) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۷
(۲۰) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۸
(۲۱) کلیات اقبال اردو صفحہ نمبر ۴۴۳، ۴۴۲ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء
(۲۲) کلیات اقبال اردو صفحہ نمبر ۶۱۲-۶۱۱
(۲۳) کلیات اقبال فارسی صفحہ نمبر ۳۰۸۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء
(۲۴) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۷
(۲۵) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۷۰
(۲۶) مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶
(۲۷) اقبال اور احمدیت از شیخ عبدالماجد صفحہ نمبر ۳۹
(۲۸) یہ نظم بانگ درا میں عقل و دل کے عنوان سے موجود ہے۔
(۲۹) مظلوم اقبال۔ شیخ اعجاز احمد صفحہ نمبر ۱۹۰
(۳۰) میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کا خطبہ، مندرجہ الفضل بحوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از پروفیسر محمد الیاس برنی۔ اشاعت نہم۔ اشرف پریس لاہور۔
(۳۱) مظلوم اقبال۔ صفحہ نمبر ۱۹۶۔ بحوالہ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر مطبوعہ ۱۹۱۹۔ مرغوب ایجنسی لاہور۔
(۳۲) افکار اقبال ترجمہ ڈاکٹر ریاض احمد۔ صفحہ نمبر ۶۸۔ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور۔
(33) The Muslim Community. A Sociological Study by Dr. Iqbal edited by Dr.Muzaffar Abbas Maktaba-e-Aliya, Urdu Bazar, Lahore.
(34) Thoughts and Reflections of Iqbal. edited by Syed Abdul Wahid-Sh.Muhammad Ashraf-Lahore-1973.
(۳۵) حرف اقبال صفحہ نمبر ۱۳۲
(۳۶) بانگ درا حصہ اول غزلیات

سید عطاء المحسن بخاری

جاوید اقبال کا منتہائے نظر

جناب جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال نے حال ہی میں روزنامہ "نوائے وقت" میں ایک مقالہ شائع کرایا ہے اور حسب معمول جملہ "جاوید اقبالیات" کو "اقبالیات" کے زمرے میں شامل و داخل کرنے کی کوشش بھی کی ہے! اس "ناانصافی" پر یہ احتجاجی تحریر ریکارڈ کی درستگی کے ساتھ ساتھ مزاج اور مذاق کی درستگی کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔

جاوید اقبال کہتے ہیں کہ اقبال کی "روحانی جمہوریت" جناح کا "ماڈرن اسلام" اور جاوید اقبال کا "سیکولرازم"...... اصل میں تینوں ایک ہیں! جاوید اقبال کے جواب اور علامہ اقبال کی ترجمانی میں (ان شاءاللہ) آئندہ کسی نشست میں مفصل گفتگو کی جائے گی۔ (مدیر)

رنگ حنا، بادِ صبا، نسیم سحر کا جھونکا، پھولوں کی خوشبو اور بادِ بہاری، یہ مل کر بھی وہ سکون و راحت اور آرام و چین نہیں بخش سکتے جو ایک سپوت دے سکتا ہے۔ روح لہرانے لگتی ہے اگر باپ کے بعد بیٹا بھی باپ کی میراث کو سنوار دے، سجا دے، جسم کا رُواں رُواں مسکانے لگتا ہے اگر فرزند بھی ارجمند ہو۔ ماحول جگمگانے لگتا ہے اگر بیٹا باپ کی تصویر ہو۔

۱۳ اکتوبر کے نوائے وقت میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا مضمون "قائد اعظم کا منتہائے نظر" نظر سے گزرا لفظ لفظ پڑھا۔ بجلی سی کوند گئی۔ احساس کے گلاب پتی پتی ہو کر گرنے لگے، اقبال نے روح کی جن کلیوں کو مہک بخشی تھی وہ بے باس ہونے لگیں فکر کو جو اساس عطا کی تھی وہ ہل گئی، محترم جاوید صاحب نے یقیناً اقبال کو پڑھا ہوگا مگر میں محسوس کرتا ہوں انہوں نے نہیں پڑھا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

جو دوئیِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مرغکِ بے چارہ کا انجام ہے افتاد

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

جناب جاوید ان اشعار کو بار بار پڑھئے اور پھر فکر اقبال اور فکر جاوید میں تفاوت ملاحظہ فرمائیے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دورانِ ملازمت "نفسیات" پر عبور حاصل کیا ہے اور اسی عبوری مہارت سے پیپلز پارٹی کے اقتدار سے کچھ زیادہ ہی لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ افکار کی وادی میں اس مرغک بیمار کا محو پرواز ہونا ہی قدِ یار کی دل نوازی کی غمازی ہے۔ لیکن جاوید صاحب اس فکرِ بیمار کا علاج تو ہمارا جسور و غیور حکیم اقبال برسوں پہلے کر چکا ہے مگر آپ ایسے فکرِ ابلیسی کے صیدِ زبوں نہ جانے کیوں شفایاب نہ ہوسکے، اقبال فرماتے ہیں۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بحرِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

آپ افکار کے معجون مرکب تو ہیں مگر صد افسوس کہ آپ کے پاس "ضربِ کلیمی" نہیں، پہلے ضربِ کلیمی حاصل کریں پھر بڑھ کے اقبال کی طرح قلزم افکار چیر ڈالیں اپنے من میں ڈوب جائیں پھر ابھریں اور فکرِ بلند کے لعلِ جہاں تاب سے زمانے کو روشن کر دیں ورنہ یاد رکھیں دشمن آپ ہی کے ذریعے پاکستان میں وہ کھیل کھیلے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حکیم مشرق نے یہی تنبیہ کی ہے، دل کی نگاہِ بصیرت سے پڑھیں۔ اقبال فرماتے ہیں

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جنکی روباہی کے آگے ہیچ ہے زور پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

فرنگی کسی جھولی میں پکے پھل کی طرح گرتا ہے یا نہیں۔ آپ کے اور آپ ایسوں کے رویوں سے تو یہ ٹپکا پڑتا ہے کہ آپ صیدِ افرنگ بن چکے ہیں۔ آپ جو کچھ برس ہا برس سے کہہ رہے ہیں یہ تو فکر فرنگ اور فکر ابلیس کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی آپ عورت بازار میں لانے کا فلسفہ پیش کرتے ہیں، کبھی قومی اسمبلی کے زاغوں کو عقابوں کا نشیمن عطا فرماتے ہیں۔ اور انہیں مجتہد قرار دیتے ہیں۔ کبھی کفار و مشرکین اور مرتدین کو مسلمانوں کے ہم پلہ قرار دے ڈالتے ہیں۔ اور اب تو آپ نے حد کردی کہ کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ، مرزائی اور مسلمان کیوں ہیں یہ الگ الگ ہیں تو ان کا نام بھی الگ ہے انکے عقائد، اعمال، افکار، تصورات اور فکری حقیقتوں کی بنیاد پر ان کا تشخص بھی الگ ہے۔

تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیئے

اقبال تو حاضر و موجود سے بیزاری کے قائل ہیں اور آپ ہیں کہ حاضر و موجود میں الجھ کے رہ گئے ہیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

علامہ تو ابدی حقیقتوں کے پیامبر ہیں۔ وہ تو راہ مصطفوی سے گریز کو بولہبی کہتے ہیں۔ اور جمہوری قبائیں زیب تن کرنا عین بولہبی ہے۔ فرماتے ہیں

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسم افلاطوں

ابدی حقیقت کو ایسے خوبصورت، واشگاف اور دلنشین انداز سے واضح کرتے ہیں

نہاد زندگی میں ابتدا لا انتہا الا
پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ

آپ ہمیں "الا" سے بیگانہ کرکے مارنا چاہتے ہیں آپ کا پیغام تو موت کے سوا کچھ اور نہیں۔ "الا" سے ہماری آشنائی اور شناسائی باقی رہنے دیں۔ اگرچہ ان سیاسی ہتھکنڈوں کی خوفناک ٹکروں سے فضا خاصی سنگین ہو چکی ہے مگر مسلمان اس سنگینی حالات کے سامنے سپر ڈالنے والا نہیں۔ ہماری ساری طاقت اور ترقی، امامتِ اقوام اور قومی عروج اسی "الا" میں پوشیدہ ہے۔ ہماری اساس ابدی حقیقتیں ہیں، طلسمِ افلاطونی نہیں۔ آپ کے رویوں سے مجھے یہ ڈر ہے کہ

وہ ملت روح جس کی "لا" سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

آپ یقین جانیں کہ آپ "لا" سے آگے نہیں بڑھے! آپ جیسے قد کاٹھ کے لوگ جب "لا" کی بھنور میں گھر جائیں اور "الا" کے ساحلِ مراد تک نہ پہنچ سکیں تو یقیناً ایسی ملتوں کا پیمانہ عروج و امامت لبریز ہو جاتا ہے پھر یہودی فلسفیوں کے فلسفہ کے تابکار اثرات بد اسے غلامی کی غیر محسوس زنجیروں میں جکڑ لیتے ہیں اور ایسی قومیں اپنا تشخص تک کھو بیٹھتی ہیں۔ جیسے کہ پاکستانی مسلمان اپنا تشخص کھو بیٹھا ہے۔ اور خود آپ بھی کہ، کبھی جمہوریت کا صدارتی نظام، کبھی پارلیمانی، کبھی جسمانی جمہوریت، اور اب روحانی جمہوریت۔ یہ کثرت افکار اور منتشر افکار یقیناً ابلیس کی ایجاد ہیں جو الہامی فکر بلند کو چھوڑ دینے سے آپ کو نصیب ہوئے ہیں اسی ایک الہامی فکر بلند اور مروارید کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تو عروج و ترقی اور امامت اقوام آپ سے کبھی نہ چھنتی۔ یہی اقبال نے کہا ہے

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر   خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

بقیہ انٹرویو از صفحہ ۱۸

پاکستان میں فی الحال دینی جماعتوں کے استحکام یا نفاذ اسلام کا کام مشکل ہے۔ بد قسمتی سے ہماری مذہبی قوتیں غیر اسلامی نظام ریاست "جمہوریت" کو ذریعہ نجات سمجھ بیٹھی ہیں۔ جب تک اس نظام کی جڑیں کھوکھلی کر کے اسے ختم نہیں کیا جاتا مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

★ مولانا عبید اللہ سندھی کے ساتھ ایک نام ظفر حسن ایبک کا بھی آتا ہے؟

● میرا ان سے بڑا گہرا رابطہ رہا۔ ان کے پچاس کے قریب خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ ظفر حسن کالج میں پڑھتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں جو پارٹی کابل روانہ ہوئی اس میں وہ بھی شامل تھے۔ ان سے ملاقات صرف دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ جب وہ ہندوستان آئے۔ دوسری مرتبہ میں خود ترکی گیا تھا۔

★ آپ نے تمام زندگی سفروں میں ہی گزار دی کہیں ڈیرہ جما کے نہیں بیٹھے۔ آپ بھی کوئی مرکز بناتے اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کرتے؟

● جب میرا استاد ایک جگہ نہیں بیٹھ سکا تو میں کیسے بیٹھ سکتا تھا۔

★ آپ اس میں سکون محسوس کرتے ہیں؟

بالکل! مختلف النوع لوگوں سے ملنے اور اُن کے خیالات سے استفادہ کے مواقع ملتے ہیں۔ مطالعہ و مشاہدہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اور سکون بھی ملتا ہے۔ پھر میرے سامنے قرآن پاک کی آیت ہے۔

"سیروافی الارض فانظروا کیف کان عاقبتہ المکذبین"

ہاں! اب تھک گیا ہوں اور کسی جگہ آرام سے بیٹھنا چاہتا ہوں۔

سرکاری لوحِ اقبال

شورش کاشمیریؒ

اِک طائرِ چمن کو چمن سے نکال دو
اُس کی نوا کو سرو و سمن سے نکال دو

ہر مصلحت شناس سے لو درسِ آگہی
ہر بے نوا کو اُس کے وطن سے نکال دو

ضربِ الٰہ سے کوہ و دمن ہیں ہے زلزلہ
ضربِ الٰہ کو کوہ و دمن سے نکال دو

اُٹھو کہ اُدب ہیں دیوں کے معرکے
خوفِ خدا کو شعر و سخن سے نکال دو

لازم نہیں فسانۂ حلاّج کا شعور
اس تذکرے کو "دار و رسن" سے نکال دو

اِک یہ بھی مشورہ ہے عزیزانِ محترم
رُوحِ محمدؐ اپنے بدن سے نکال دو

"اقبال کے نفس سے ہے لالہ کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو"

سید عطاء المحسن بخاری

حقیقت

اس سے پہلے کہ تو کہ سکے
تو بھی ہے
تو نہیں
ہے حقیقت یہی
لفظ میں بھی نہیں
کہنے والا نہیں
سارے اجسام اصنام، اوضاع فنا
اس پہ ہیں یہ گواہ
وہ ہڑپا ہو یا موہنجودڑو
مصر و یوناں ہو یا بابل و نینوا
حسنِ روما ہو یا کہ وہ ہو گاندھرا
ہو وہ لنکا اجنتا یا غارِ ایلورا
یہ سب، کچھ نہیں
مکان اور مکیں کچھ نہیں
رام جی ہیں کہاں
وہ اشوکا کہاں
شوجی مہراج رادھا، وہ مالا، وہ بالا کہاں
نہ کل تھے نہ آج
نہ قائم نہ دائم
یہ کہنا کہ کوئی بھی مرتا نہیں، سچ نہیں،
اس سے پہلے کہ تو کہ سکے تو ہے
تو بھی نہیں!
اک اسی کو بقا
جو ہے لا ابتداء
اور لا انتہاء
جس کو سب نے پکارا
وہ ہر جا پہ ہے۔

رنگِ سخن

وہ شخص ہے امیر جو دل کا امیر ہو
بے شک برہنہ جسم ہو، کوئی فقیر ہو
ورنہ نہیں یہ بات ہے تقویٰ پہ منحصر
لازم نہیں کہ پیر کا بیٹا بھی پیر ہو
اس گھر کی سمت دوڑتا جاتا ہوں میں، جہاں
مرغا ہو، پھل، مٹھائی ہو، حلوہ ہو، کھیر ہو
آتا نہیں جو وقت پہ کوئی تمہارے کام
گر بعد میں وہ آئے تو کہہ دو کہ تیر ہو
الفت اگر گنہ ہے تو سب کو ملے سزا
سوہنی ہو، مہینوال ہو، رانجھا ہو، ہیر ہو
اس دور میں ملازمت ملتی ہے ان کو بس
دولت ہے جن کے پاس یا اپنا وزیر ہو
چمچوں کی محفلوں سے میں رہتا ہوں دور دور
ان کو کرے سلام وہ، جو بے ضمیر ہو
تائب نہ بات بات پہ ٹوکا کرو انہیں
ہوتا ہے وہ ذہین جو بچہ شریر ہو

پروفیسر محمد اکرام تائب
عارف والا

شورش کاشمیری (مرحوم)

لاؤ کہیں سے ڈھونڈ کے شورش سا دیدہ ور
چلتا رہا جو راہ صداقت پہ بے خطر!

ہر اک ادائے دلبری وہ ساتھ لے گیا!
جرأت، جنوں، جسارت تھی سب اس میں جلوہ گر

ٹکرا گیا وہ ظلم کی ہر ایک ریت سے
وہ شیر دل کہ چیتے کا رکھتا تھا جو جگر

تھا ذوق نعت گوئی میں وہ ایسا منفرد
ہر حرف میں تھا سیرت محبوب کا اثر

رکھتا تھا وہ جو سطوت اڑنگ پاؤں میں
کیا کیا ستم نہ سہہ گیا وہ اپنی جان پر

فن خطابت آج بھی نازاں اسی پہ ہے
دیتا رہا دعائیں بخاری سا تاجور

اک خاص ربط تھا اسے خیرالانام سے
غلطاں رہا وہ عشق پیمبر میں عمر بھر

بخشے جو اپنے کام سے خود نام کو دوام
لاؤ کہیں سے ڈھونڈ کے اک ایسا بخت ور

اونچی اڑان اس کے تخیل کی آج بھی
اس کے ہر ایک حرف سے روشن نگر نگر

جس کے جری تھے سارے یمین ویسار میں
افضل، حبیب، شیخ، بخاری سے راہبر

زندہ رہا تو زندگی کو اس پہ ناز تھا
مر کے وہ اور ہو گیا نظروں میں معتبر

کیا کیا نہ رونقیں رہیں اس کے وجود سے
جس کا وجود سود و زیاں سے تھا بے خبر

کیا دبدبہ تھا اس کے تکلم کا دوستو!
لرزاں ہے جس کے نام سے ربوہ کا یہ نگر

بستان مصطفیٰ کا مہکتا ہوا گلاب
جس کی مہک سے آج مہکتے ہیں بام و در

ہیں یاد مجھ کو اس کے جنوں خیز معرکے
ویراں ہے جس کے بعد جنوں کی یہ رہگزر

جس کے جلو میں لشکر جرأت تھا ضوفگن
جس کے قلم سے لرزہ براندام اہل زر

تقریر میں امیر شریعت کی تھی جھلک
افکار میں تھے حضرت اقبال رہبر

تحریر میں وہ جس کے فصاحت ظفر کی تھی
اسلوب جس کا آج بھی روشن ہے اوج پر

ابوالکلام اسکی پسندیدہ شخصیت
ابوالکلام کا تھا اثر اسکے نطق پر

آتے رہے ادیب تو لاکھوں جہان میں
شورش سا پیدا ہو گا نہ پھر کوئی ناسور

کرتا رہا جو ختم نبوت پہ جاں نثار
تھی زیست اس کی ساری مجاہد کا کروفر

غربت کے باوجود بھی دنیا پہ چھا گیا
عظمت ہے جس کا نام لکھا چٹان پر

چمکا وہ آسمانِ صحافت پہ اس طرح
چمکے ہیں جیسے مہر و قمر آسمان پر

شوریدہ سر، عزم و عزیمت میں بے مثال
تنہا ہی تھا وہ بھاری ہر سیلِ تند پر

جتنے بھی تھے وقت کے فرعون دوستو
اسکی گرج کے سامنے منقار زیر پر

شورش سا کوئی دوسرا پاؤ گے اب کہاں
بن بن کے شورش مر گئے کیا کیا نہ ناسور

کہتا وہی ہمیشہ سمجھتا تھا جس کو حق
وہ بے نیاز خوف تھا، کیسا تھا وہ نڈر

احرار دیں سرشت سے وہ فیضیاب تھا
دوران جنگ ڈٹ گیا وہ سینہ تان کر

خالد جہاد زیست سے وہ سرخرو گیا
لاریب اس پہ ساقیؑ کوثر کی تھی نظر

پروفیسر خالد شبیر احمد

ساغر اقبالی

طنز و مزاح

زبان میری ہے بات انکی

- یکم نومبر سے ادویات کی قیمتوں میں ساڑھے سات فیصد اضافہ۔ (ایک خبر)

اور دوائیں پھر بھی نمبر دو۔

- پولیس وردی والے ڈاکو۔ زمیندار کے گھر کا صفایا کر گئے۔ (ایک خبر)

ڈاکوؤں نے وردی پہن لی ہے یا وردی والے ڈاکو بن گئے ہیں!

- منچھر پہاڑ حاکم علی زرداری کو ۹۹ سالہ لیز پر دے دیا گیا۔ (ایک خبر)

جناب پورا ملک امریکہ کو لیز پر دے دیا گیا ہے۔ آپ پہاڑ کھود کر زرداری نکالنا چاہتے ہیں۔

- کابینہ کے اجلاس میں فاروق لغاری ہاتھ باندھے کر آتے ہیں۔ (اعجاز الحق)

کچے دھاگے سے بندھی چلی آتی ہے سرکار میری

- وعدے پورے نہیں ہوئے مولانا فضل الرحمن نے حکومت سے علیحدگی کی دھمکی دے دی۔ (ایک خبر)

لگدا تے نئیں پر شاید ہووے!

- گورنروں کی تنخواہیں اور الاؤنس بڑھانے کا فیصلہ (ایک خبر)

پنشنوں کی بڑھوتی گورنر لے گئے۔

- اقتدار کی نورا کشتی میں سپاہ صحابہ فریق نہیں بنے گی۔ (مولانا فاروقی)

اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

- عوام نے ہمیں تقدیر بدلنے کا مینڈیٹ دیا ہے۔ (بے نظیر)

تقدیر بناتی ہوں تقدیر نہیں بنتی　　کھیر پکاتی ہوں کفگیر نہیں چلتی

- بیوی نے تیل چھڑک کر حوالدار کو آگ لگا دی۔ (ایک خبر)

حوالدار تھا یا طاعون کا چوہا؟

- (گوجرانوالہ) پیر نے مرید کی بیوی کو اغوا کر کے بغیر طلاق نکاح کیا۔ (ایک خبر)
- (کوٹ رادھا کشن) پیر نے تعویذ کے لئے آنے والی دوشیزہ کو بے آبرو کر دیا (دوسری خبر)

چوہو۔ ہور چوہو گئے!

- بے نظیر اقتدار کی خاطر پوری قوم کو تباہ کر سکتی ہیں۔ (پرویز الٰہی)

کسر تسی وی نئیں چھڈی

- بے نظیر حکومت لانے کے ذمہ دار نواز شریف ہیں۔ (قاضی حسین احمد)

اور ولن کا کردار کس نے ادا کیا؟

- فرانس میں دوپٹے کے خلاف مسلمان طالبات کا مظاہرہ۔ پولیس تشدد۔ (ایک خبر)

اور پاکستان میں فہمیدہ ریاض۔ کشور ناہید۔ عاصمہ جہانگیر جیسی عورتوں کی دوپٹے کے خلاف بکواس!

- بے نظیر نے ایک سال میں ۱۹ یعنی ہر ۲۰ روز بعد ایک غیر ملکی دورہ کیا (عابدہ حسین)

خیر سے دورے تو آپ کو بھی بہت پڑتے ہیں۔

- "ایٹم بم بنا لیا گیا"۔ "رول بیک کر لیا" کون سا بیان درست ہے؟

(مولانا فضل الرحمن چیئرمین سٹینڈنگ کمیٹی خارجہ امور)

کس کو کہہ رہے ہو؟

- کوئی مسلمان۔ دوسرے مسلمان کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ (ساجد نقوی)

آخر "تقیہ" بھی کوئی چیز ہے!

- پرمٹ ہولڈر جمعہ کے سوا ہر روز شراب لے سکیں گے (ایک خبر)

بے نظیر حکومت نے جمعہ کے تقدس کو ملحوظ رکھا ہے!

- وٹو کی بیٹی کا نکاح مولانا آزاد نے پڑھایا۔ (ایک خبر)

مولانا واقعی ہر پابندی سے آزاد ہیں۔

- پاکستان کو امریکہ کی نو آبادی بنا دیا گیا۔ (اپوزیشن)

پاکستان امریکہ کا ۵۳ واں صوبہ ہے؟

- فضل الرحمن نے بے نظیر کی حمایت نہ چھوڑی تو انہیں جماعت چھوڑنا پڑے گی۔ (اجمل قادری)

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

- ہفتہ صفائی لاکھوں روپے کا صفایا کر گیا۔ گندگی کے ڈھیر قائم دائم ہیں۔ (ایک خبر)

ہفتے پیسے **صاف کرنے** کے لئے ہی منائے جاتے ہیں۔

- وزیر خارجہ سردار آصف علی نیویارک کے برہنہ کلب میں بے حیا اور فاحشہ عورتوں کے ساتھ شامیں گذارتے ہوئے پائے گئے۔ (مشاہد حسین)

آپ بھی سردار آصف سنگھ کے ساتھ تھے کیا؟

- (جھنگ) تھانیدار نے رشوت لے کر ڈاکوؤں کو کھلا چھوڑ دیا (ایک خبر)

کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ!

- میاں نواز شریف "شریک وزیر اعظم" بن سکتے ہیں۔ (منو بھائی)

(بقیہ صفحہ ۶۲ پر)

حاصل مطالعہ

مجتبیٰ حسین

ایک ملاقات........ دیمکوں کی ملکہ سے !

ایک زمانہ تھا جب میرا زیادہ تر وقت لائبریریوں میں گزرتا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ سماج میں جہلا ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں اور اونچی اونچی کرسیوں پر قبضہ جما چکے ہیں تو میں نے سوچا کہ لعنت ہے ایسے علم پر جس سے علم کی پیاس تو پہلے ہی بجھ جائے لیکن پیٹ کی آگ نہ بجھنے پائے۔ ملک کی یونیورسٹیوں پر غصہ بھی آیا کہ اگر وہ علم کو پھیلانے کے بجائے جہالت کو ہی عام کرنے کا بیڑا اٹھا لیتیں تو آج ملک نہ جانے کتنی ترقی کر لیتا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے لائبریریوں کو خیر باد کہا اور پھر کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

میں .... باہر آ کر جہالت کے گر سیکھنے کی کوشش کرتا، یہاں تک کہ سیاستدانوں کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوا کہ یہ ہستیاں جہالت کا سر چشمہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ گر نہ آیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ علم کی دولت آدمی کے پاس ایک بار آ جاتی ہے تو پھر کبھی نہیں جاتی۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے اندر یہ جو علم کا افلاس ہے اسے کسی طرح باہر نکالوں اور اس کی جگہ جہالت کی دولت سے اپنے سارے وجود کو مالا مال کر دوں مگر یہ کام نہ ہو سکا۔ یہ اور بات ہے کہ ایک عرصہ تک علم سے لگاتار اور مسلسل دور رہنے کی وجہ سے میں نے تھوڑی بہت ترقی ضرور کر لی۔

مگر پچھلے دنوں بات کچھ یوں ہوئی کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ کہیں جا رہا تھا راستے میں اسے اچانک ایک ضروری کام یاد آ گیا۔ اس نے کہا کہ وہ دو گھنٹوں میں واپس آ جائے گا، تب تک میں یہیں کہیں اس کا انتظار کروں۔ سامنے ایک پارک تھا سوچا کہ یہاں وقت گزار لوں لیکن اس عمر میں نوجوانوں کی مصروفیتوں اور ناخوشگوار حرکتوں میں مخل ہونا پسند نہ آیا۔ سامنے ایک ہوٹل تھا جس میں نہایت اونچی آواز میں موسیقی کو بجا کر گاہکوں کو ہوٹل کے اندر آنے سے روکا جا رہا تھا۔ اب وہ پرانی لائبریری ہی برابر میں رہ گئی تھی جس میں میں اپنے زمانۂ جاہلیت میں نہایت پابندی سے جایا کرتا تھا۔ خیال آیا کہ چلو آج لائبریری میں چل کر دیکھتے ہیں کہ " کس حال میں ہیں یاران وطن "۔

افسوس ہوا کہ اب بھی وہاں کچھ لوگ علم کی دولت کو سمیٹنے میں مصروف تھے، چونکہ علم کی دولت چرائی نہیں جا سکتی، اسی لیے ایک صاحب ضروری علم حاصل کرنے کے بعد اپنے سارے گھوڑے بیچ کر کتاب پر سر رکھ کر سو رہے تھے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ بہت ہی دنوں بعد لسان العصر حضرت شیکسپیر، مصور فطرت علامہ ورڈسورتھ، شمس العلماء تھامس ہارڈی، مصور غم جان کیٹس وغیرہ کی کتابوں کا دیدار کرنے کا موقع ملا۔ میں نے سوچا کہ ان کتابوں میں اب میرے لیے کیا رکھا ہے، کیوں نہ اردو کتابوں کی ورق گردانی کی جائے۔ چنانچہ جب میں لائبریری

کے اردو سیکشن میں داخل ہوا تو یوں لگا جیسے میں کسی بھوت بنگلہ میں داخل ہو گیا ہوں۔ میں خوف زدہ سا ہو گیا، لیکن ڈرتے ڈرتے میں نے گرد میں اٹی ہوئی "کلیات میر" کھولی تو دیکھا کہ اس میں سے ایک موٹی تازی دیمک بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں اسے مارنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دیمک نے کہا "خبردار! جو مجھے ہاتھ لگایا تو۔ میں دیمکوں کی ملکہ ہوں۔ "باادب باملاحظہ ہوشیار" ابھی ابھی محمد حسین آزاد کی "آب حیات" کا خاتمہ کر کے یہاں پہنچی ہوں۔ جس نے "آب حیات" پی رکھا ہو اسے تم کیا مارو گے۔ "قاتل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم"

دیمک کے منہ سے اردو مصرعہ کو سن کر میں بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے حیرت سے کہا "تم تو بہت اچھی اردو بول لیتی ہو بلکہ اردو شعروں پر بھی ہاتھ صاف کر لیتی ہو"

بولی "اب تو اردو ادب ہی میرا اوڑھنا بچھونا اور کھانا پینا بن گیا ہے"

پوچھا "کیا اردو زبان تمہیں بہت پسند ہے"؟

بولی "پسند ناپسند کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ زندگی میں سب سے بڑی اہمیت آرام اور سکون کی ہوتی ہے جو مجھے یہاں مل جاتا ہے۔ تم جس سماج میں رہتے ہو وہاں آرام، سکون اور شانتی کا دور دور تک کہیں پتا نہیں ہے۔ امن واماں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو۔ اب اگر میں یہاں آرام سے رہنے لگی ہوں تو تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔

میں نے پوچھا لیکن تمہیں یہاں سکون کس طرح مل جاتا ہے۔؟

بولی ان کتابوں کو پڑھنے کے لئے اب یہاں کوئی آتا ہی نہیں ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ساری کتابیں میرے لیے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کا درجہ رکھتی ہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ تم جو اب یہاں آئے ہو تو تم بھی کتابیں پڑھنے کے لئے نہیں آئے ہو۔ کہیں تم خود مصنف تو نہیں ہو؟ میں نے حیرت سے پوچھا تم نے کیسے پہچانا کہ میں مصنف ہوں۔

بولی میں تمہیں جانتی ہوں۔ ایک رسالہ کی ورق نوشی کرتے ہوئے میں نے تمہاری تصویر دیکھی تھی بلکہ تھوڑی سی تصویر کھائی بھی تھی۔ ایک دم بد ذائقہ اور کڑوی کسیلی نکلی۔ حالانکہ وہ تمہاری نوجوانی کی تصویر تھی۔ پھر بھی اتنی کڑوی کہ کئی دنوں تک منہ کا مزہ خراب رہا۔ میں تو بڑی مشکل سے صرف تمہاری آنکھیں ہی کھا سکی تھی۔ کیونکہ تمہارے چہرے میں کھانے کے لئے ہے ہی کیا۔ تم اردو کے مصنفوں میں یہی خرابی ہے کہ تصویریں ہمیشہ اپنی جوانی کی چھپواتے ہو اور تحریریں بچوں کی سی لکھتے ہو۔ اور ہاں خوب یاد آیا تم نے سرسید احمد خاں کو داڑھی کے بغیر دیکھا ہے۔ نہیں دیکھا تو "آثار الصنادید" کی وہ جلد دیکھ لو جو سامنے پڑی ہے۔ ایک دن خیال آیا کہ سرسید داڑھی اور اپنی مخصوص ٹوپی کے بغیر کیسے لگتے ہوں گے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے بڑے جتن کے ساتھ سرسید احمد خان کی ساری داڑھی نہایت احتیاط سے کھالی۔ پھر ٹوپی کا صفایا کیا۔ اب جو سرسید احمد خاں کی کتاب نما تصویر دیکھی تو معاملہ وہی تھا۔ قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا۔ اور یہ تصویر میرے آرٹ کا ایک نادر نمونہ

ہے۔ مجھے تصویروں میں مسکراہٹیں بہت پسند آتی ہیں۔ مونا لیزا کی مسکراہٹ تو اتنی کھائی کہ اکثر بار بد ہضمی ہو گئی۔ رنا نے کو اس کی مسکراہٹ آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ مجھے اس کا ذائقہ سمجھ میں نہیں آیا۔ عجیب کھٹ مٹھا سا ذائقہ ہے۔ کھاتے جاؤ تو بس کھاتے چلے جاؤ۔ بھلے ہی پیٹ بھر جائے لیکن نیت نہیں بھرتی۔

میں نے کہا تم تو آرٹ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہو۔

بولی جب آدمی کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو وہ آرٹ اور کلچر کی طرف راغب ہوتا ہے میں نے دیکھا کہ کیڑوں مکوڑوں کا پیٹ بھر جائے تو وہ بھی یہی کرتے ہیں۔ تب احساس ہوا کہ انسانوں اور کیڑوں مکوڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خیر اب تو تم لوگ بھی اپنی زندگی حشرات الارض کی طرح گزارنے لگے ہو۔

میں نے کہا "اب جبکہ تم نے خاصے اردو ادب کو چاٹ لیا ہے تو یہ بتاؤ یہ تمہیں کیسے لگتا ہے۔"

بولی "شروع شروع میں میرے پلے نہیں پڑا تھا۔ بڑا ریاض کیا۔ متقدمین کے دیوان چاٹے۔ مشکل یہ ہوئی کہ میں نے سب سے پہلے دیوان غالب پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ خاک سمجھ میں نہ آیا۔ لہٰذا مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی آسان اور زود ہضم نظمیں پہلے نوش جان کیں۔ پھر وہ کیا کہتے ہیں آپ کے مفلر والے شاعر وہی جو پانی پت رہتے تھے۔ مگر وہاں کی جنگوں میں شریک نہیں تھے۔ ارے اپنے وہی مولانا حالی۔ انکی نصیحت آمیز شاعری پڑھی۔ شاعری کم کرتے تھے۔ نصیحت زیادہ کرتے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے انکی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو آج تمہارے گلے میں بھی روایات کا ایک بوسیدہ سا مفلر ہوتا۔ اب تو خیر سے سارا ہی اردو ادب میری مٹھی میں ہے۔ سب کو چاٹ چکی ہوں۔ ایک بار غلطی سے جوش ملیح آبادی کی ایک رباعی چاٹ لی۔ طبیعت میں ایسا بھونچال آیا کہ سارا وجود آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے چارو ناچار، جانثار اختر کی گھر آنگن والی شاعری چاٹنی پڑی۔ ویسے تو میں نے دنیا کی کم و بیش ساری ہی زبانوں کی کتابیں چاٹ لی ہیں لیکن اردو شاعروں میں ہی یہ وصف دیکھا کہ اپنے معشوق کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ کوئی معشوق کے گیسو سنوارنا چاہتا ہے تو کوئی انہیں بکھیر دینا چاہتا ہے۔ کوئی وصل کا طالب ہے تو کوئی ہجر کی لذتوں سے سرشار رہنا چاہتا ہے۔ کوئی معشوق کو کوٹھے پر بلانے کا قائل ہے تو کوئی اس کا دیدار بھی یوں کرنا چاہتا ہے جیسے چوری کر رہا ہو۔ تم لوگ آخر معشوق سے چاہتے کیا ہو۔ اسے ہزار طرح پریشان کیوں کرتے ہو۔ اردو شاعری میں معشوق، خود شاعر سے کہیں زیادہ مصروف نظر آتا ہے۔ یہ بات کسی اور زبان کے معشوق میں نظر نہیں آتی۔ اردو شاعروں کا عشق بھی عجیب و غریب ہے عشق کرنا ہے تو سیدھے سیدھے عشق کرو۔ بھائی کس نے کہا ہے تم سے کہ معشوق کی یاد آئے تو آسمان کی طرف دیکھ کر تارے گنتے رہو۔ اس کی یاد نے زور مارا تو اپنا گریبان پھاڑنے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ معلوم ہے کہ کپڑا کتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ سیدھے سیدھے معشوق کے پاس جاتے کیوں نہیں۔ اپنے دل کا مدعا بیان کیوں نہیں کرتے۔ عاشق بزدل اور ڈرپوک ہو تو ایسے ہی چونچلے کر کے اپنے دل کو بہلاتا رہتا ہے۔

میں نے کہا۔ اردو ادب پر تو تمہاری گہری نظر ہے۔

بولی۔ اب جو کوئی اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہی نہیں تو سوچا کہ کیوں نہ میں ہی نظر رکھ لوں۔ پوچھا۔ داغ دہلوی کے کلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

بولی۔ انکا کلام گانے کے چکر میں اچھی خاصی بیبیاں طوائفیں بن گئیں۔ مجھے تو طبلہ اور سارنگی کے بغیر انکا کلام سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

اور ہمارے فانی بدایونی؟

بولی ان کے غم پر بے پناہ ہنسی آتی ہے۔ عجیب مضحکہ خیز غم ہے۔

اور مولانا آزاد؟

بولی۔ زندگی بھر ٹھاٹ سے عربی لکھتے رہے اور لوگ اسے اردو سمجھ کر پڑھتے رہے۔ عربی کے کسی ادیب کو اردو میں شاید ہی اتنی شہرت ملی ہو۔

میں نے کہا "یہ بتاؤ تمہیں اردو کی کتابیں کیسی لگتی ہیں"؟

بولی" تمہارا جو ادب لیتھو گرافی کے ذریعہ چھپا ہے اسے کھاؤ تو یوں لگتا ہے جیسے باسی روٹی کے ٹکڑے چبا رہی ہوں۔ پھر جگہ جگہ کتابت کی غلطیاں کباب میں ہڈی کی طرح چلی آتی ہیں۔ لیکن جو کتابیں اردو اکیڈمیوں کے جزوی مالی تعاون کے ذریعہ چھپنے لگی ہیں وہ بہت لذیز ہوتی ہیں میں تو جزوی امداد کی چاٹ میں کل کتاب کو ہی کھا جاتی ہوں ان میں ادب ہو یا نہ ہو کھانے میں لذیذ ہوتی ہیں۔ کیونکہ مفت خوری میں جو مزہ ہے۔ وہ محنت کی کمائی میں کہاں۔ اعزازی زندگی گزارنے کی شان ہی جداگانہ ہوتی ہے۔ ہاں ایک بات اور اردو کا مصنف اور شاعر اپنی کتابوں کے دیباچوں میں بات بات پر اس قدر شکریے کیوں ادا کرتا ہے۔ پبلشر اور سرپرستوں وغیرہ کا شکریہ تو خیر پھر بھی برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن اردو کا مصنف اس سائیکل رکشہ والے کا بھی شکریہ ادا کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جس میں بیٹھ کر وہ کتاب کی پروف ریڈنگ کرنے جاتا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے سے یہی لگتا ہے کہ مصنف سائیکل رکشا والے کو کرایہ بھی ادا نہیں کرتا تبھی تو اتنا گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر ممنون ہوتا رہتا ہے۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شاعر نے اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کے لئے چمڑے کے ایک بیوپاری کا یوں شکریہ ادا کیا تھا۔ جیسے چمڑے کا یہ بیوپاری نہ ہوتا تو اردو ادب در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا اور وہ بھی ننگے پاؤں۔ بھیا چمڑے کا کاروبار اور چمڑی کا کاروبار دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تم اپنی شاعری میں چمڑی کا کاروبار کرتے ہو۔ پھر چمڑے کے بیوپاری کو اس کی ساری خباثتوں کے ساتھ ادب میں کیوں لے آتے ہو۔

میں نے کہا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ اردو کے ادیب اور شاعر کسی کا شکریہ نہ ادا کریں۔

بولی شکریہ ادا کرنا اچھی بات ہے لیکن اصل میں جس کا شکریہ ادا ہونا چاہیئے اسکا تو ادا کرو۔

میں نے پوچھا مثلاً کس کا؟

شرما کر بولی مجھے کہتے ہوئے لاج سی آتی ہے اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو تو اب میرے سوا کسی اور کا شکریہ ادا

بقیہ صـ۶۰ـ پر

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

مقالۂ خصوصی

الفئتہ الباغیہ

حدیث قتلِ عمارؓ کی روشنی میں

(قسط۴)

قاتلِ عمارؓ کی یہ تینوں نشانیاں بھی حضرت عثمانؓ کے قاتل و باغی اور مفسد سبائی ٹولے میں ہی علی وجہ الاتم پائی جاتی ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں میں ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے صحابہؓ ساتھی تو ہیں ہی صحابہؓ۔ انکو شریر، بد بخت اور بد کردار تو کوئی شریر و بد بخت اور بد کردار ہی کہہ سکتا ہے۔ کوئی شریف، نیک بخت اور نیک چلن انسان ایسی خباثت کی جرات نہیں کر سکتا۔ باقی رہے غیر صحابہ اصحاب صفین؟ تو اہل سنت میں سے انکے بھی شریر و بد بخت اور بد کردار ہونیکا کوئی قائل نہیں۔ ہاں سبائی مفسدوں کو یہ سب کچھ کہا اور مانا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو امام نووی رحمہ اللہ انکا تعارف یوں کرواتے ہیں۔

"واماعثمان رضی اللہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع وقتل مظلوماً وقتلتہ فسقۃ...(۱)ولم یشارک فی قتلہ احدمن الصحابۃ وانماقتلہ همج(۲)ورعاع(۳)من غوغاءالقبائل(۴)وسفالۃ الاطراف(۵)والارذال (۶)تحزبواوقصدوہ من مصر..فحصروہ حتیٰ قتلوہ۔رضی اللہ عنہ"

(حضرت عثمانؓ کی خلافت بالا جماع صحیح ہے، آپ ناحق قتل کئے گئے۔ آپ کے قاتل، فاسق ہیں۔۔۔۔۔۔ آپ کے قتل میں صحابہؓ میں سے کوئی ایک بھی شریک نہیں ہوا۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ کو آوارہ مزاجوں، کمینے لوگوں، قبائلی اوباشوں، ادھرادھر کے خسیسوں اور رذیلوں نے قتل کیا تھا جو دھڑابندی کر کے مصر سے آپ پر چڑھ دوڑے تھے۔ جنہوں نے محاصرہ کر کے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔)

(نووی شرح مسلم ص ۲۷۲ ج ۲) جبکہ اس کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ سے متعلق یہی امام نووی لکھتے ہیں کہ

"واما معاویہؓ فهومن العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء"(ایضاً)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ

"هو امیرالبدرة وقتیل الفجرة۔"

(کہ وہ نیکوں کے تو امیر تھے اور فاجروں کے قتیل) یعنی نیکوں نے تو انکو اپنا امام و خلیفہ بنایا اور مانا تھا۔

فاجروں نے انکو قتل کر دیا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ اصحابِ جمل و صفین اور حضرت علیؓ کے اصحابِ مخلصین کا نیک ہونا۔ کیوں کہ ان سب نے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنایا اور مانا تھا۔ تبھی تو اول الذکر اپنا حقِ قصاص مانگ رہے تھے اور ثانی الذکران کا یہ حق مان رہے تھے۔

ب۔ حضرت عثمان کے قاتلوں کا فاجر یعنی گنہگار اور بد کردار و بد اطوار ہونا اور ادھر حضرت عمارؓ کے قاتل گروہ کو بھی لسان نبوت سے اشقیاء و اشرار اور فجار کہا گیا ہے جس کے بعد اس میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ آنحضرت ﷺ کی ارشاد فرمودہ یہ آخری تینوں نشانیاں بھی سبائی ٹولے میں ہی پائی جاتی ہیں نہ کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں میں۔

قاتلِ عمارؓ کی یہ سات نشانیاں ہیں جو کسی اور نے نہیں بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ اور ارشاد بھی اسی حدیث میں فرمائی ہے۔ جس کے حوالہ سے حضرت معاویہؓ کو قاتلِ عمارؓ اور پھر باغی بنایا جاتا ہے۔ ان نشانیوں کی روشنی میں حضرت عمارؓ کا قاتل وہ گروہ بنتا ہے جو

ا۔ غیر صحابی ہو۔ ۲۔ باغی ہو۔ ۳۔ داعی الی النار ہو۔ ۴۔ فی النار ہو۔ ۵۔ بد بخت ہو۔ ۶۔ شریر ہو۔ ۷۔ نابنجار ہو۔

اور قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں کہ یہ سب نشانیاں بعینہ سبائی مفسدوں میں پائی جاتی ہیں، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں میں ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا حدیث قتلِ عمارؓ کے حوالہ سے ہی اگر کوئی قاتلِ عمارؓ اور "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق بنتا ہے۔ تو وہ سبائی مفسدوں کا گروہ ہی بنتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نہ قاتلِ عمارؓ بنتے ہیں اور نہ "الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق ہی۔ کیونکہ انکو یہ کچھ بنانے کے لئے اسی حدیث کی رو سے ہی ضروری ہے کہ پہلے۔

ا۔ انکی صحابیت کا انکار کیا جائے۔

۲۔ انکا باغی ہونا ثابت کیا جائے۔

۳۔ انکو، زیادہ نہیں تو کم از کم انکے صفینی موکف کی حد تک تو ضرور ہی، داعی "الی النار" سمجھا جائے۔

۴۔ انکو "فی النار" مانا جائے۔

۵۔ انکو یکے از اشقیاء و اشرار

۶۔ اور یکے از فجار، قرار دیا جائے۔

اور اسکی جرات کوئی سبائی تبرائی تو کر سکتا ہے۔ کسی صحیح العقیدہ سنی سے اسکی توقع ہر گز نہیں رکھی جا سکتی، کیونکہ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق حضرت معاویہؓ

۱۔ صحابی ہیں نہ کہ غیر صحابی۔
۲۔ عادل ہیں نہ کہ باغی (ورنہ انکو باغی کہنے والے ہی پھر انکی بغاوت کی تاویلیں کرنے پر مجبور نہ ہوتے)
۳۔ "داعی الی الجنۃ" ہیں نہ کہ داعی الی النار۔
۴۔ "فی الجنۃ" ہیں نہ کہ "فی النار"
۵۔ یکے از سعداء ہیں نہ کہ یکے از اشقیاء
۶۔ یکے از شرفاء ہیں نہ کہ یکے از اشرار
۷۔ اور یکے از ابرار ہیں نہ کہ یکے از فجار۔

لہذا" حدیث قتلِ عمارؓ " کی رو سے ہی وہ قاتلِ عمارؓ نہ ہوئے اور باغی انکو اسی بنیاد پر بنایا جا رہا تھا۔ جب وہ بنیاد ہی بے بنیاد ثابت ہوئی اور ثابت بھی اسی حدیث سے ہوئی تو انکا باغی واغی ہونا خود بخود بے بنیاد ہو گیا۔

الغرض جس حدیث کے حوالہ سے حضرت معاویہؓ اور انکے ساتھیوں کو قاتلِ عمارؓ بنا کر "الفئۃ الباغیہ" کا مصداق بنایا جاتا ہے اسی حدیث سے علی وجہ الکمال یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ حضرات نہ حضرت عمارؓ کے قاتل تھے اور نہ "الفئۃ الباغیہ" کے ہی مصداق۔ بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور باغی سبائی مفسد ہی حضرت عمارؓ کے قاتل بھی تھے اور "الفئۃ الباغیہ" کے مصداق بھی۔

حضرت معاویہؓ کے قاتلِ عمارؓ ہونے کی ایک دلیل اور اسکی حقیقت۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ جنگ صفین میں چونکہ حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور اس جنگ میں انکا مقابلہ حضرت معاویہؓ سے ہی تھا لہذا ظاہر ہے کہ وہی انکے قاتل تھے۔

یہ دلیل انتہائی سطحی اور حضرت معاویہؓ کے قاتلِ عمارؓ ہونے سے زیادہ سبائی منافقوں کی منافقانہ چالوں اور منصوبوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بیشک مشہور روایت کے مطابق حضرت عمارؓ، صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے بمقابلہ حضرت معاویہؓ لڑتے ہوئے شہید ہوئے لیکن اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے قاتل بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی تھے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے لشکر میں صرف حضرت عمارؓ اور ان جیسے دیگر مخلصین ہی نہ تھے بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتل و باغی سبائی منافق و مفسد بھی ان کے شانہ بشانہ شریک بلکہ پوری طرح دخیل تھے۔ حضرت عمارؓ کا قتل ان سبائی منافقوں کی ہی ایک اہم ضرورت ان کے منافقانہ منصوبے کی ایک اہم کڑی اور انکی ہی ایک مجبوری تھی۔ حضرت معاویہؓ کی نہ یہ ضرورت تھی نہ مجبوری بلکہ ان کے لئے تو حضرت عمارؓ کا قتل نری بدنامی تھی۔ لہذا انکو قتل انہوں نے ہی کیا تھا جنکی یہ ضرورت اور مجبوری تھی انہوں نے ہرگز نہ کیا تھا جن کے لئے انکا قتل حد درجہ مضر اور سراسر بدنامی کا باعث تھا۔

وضاحت اسکی یہ ہے کہ سبائی گروہ بنیادی طور پر منافقوں اور اسلام کے دشمنوں کا گروہ تھا جو یہودیت و نصرانیت اور مجوسیت کی ملی بھگت سے وجود میں آیا تھا۔ اسکا سر غنہ عبد اللہ بن سبا نامی ایک شخص تھا۔ جو اصلاً یہودی تھا۔ منافقانہ اسلام کا اظہار کرتا تھا۔ اس گروہ کا مقصد وحید اسلام اور اہلِ اسلام سے اپنی اس ذلت و رسوائی اور شکست و ہزیمت کا انتقام لینا تھا جو یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں پہنچی تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر انکو آپس میں لڑوانے ٹکرانے اور اسطرح ان کی طاقت و قوت کو پاش پاش کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اب ظاہر ہے کہ انکا یہ مقصد اس طرح تو حاصل نہ ہوسکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو علانیہ یہ کہتے کہ تم اپنے خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کو قتل کردو، اور وہ قتل کر دیتے، حضرت علیؓ اور اصحاب جمل سے کہتے کہ تم آپس میں بھڑ جاؤ، اور وہ بھڑ جاتے، حضرت علیؓ اور اصحاب صفین کو کہتے کہ تم آپس میں ٹکرا جاؤ اور وہ ٹکرا جاتے وغیرہ ذالک بلکہ اس کے لئے انکو کسی بنیادی اور کسی پر کشش نعرہ کی ضرورت تھی۔ لہذا وہ ہر موقع پر ایسی بنیادیں پیدا کے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے بھڑاتے رہے چنانچہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے ہٹانے بصورت دیگر قتل کرنے کے لئے انہوں نے حضرت علیؓ کی مظلومیت اور اہلبیت کی محبت کو بنیاد بنایا، عمال کے فرضی معائب تراشے، صحابہؓ تک کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانے اور انسے بد ظن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس ساری کوشش کے باوجود جب کام بنتے نہ دیکھا بلکہ الٹا حضرت علیؓ، حضرت طلحؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے انکی صفائیاں دینی شروع کر دیں تو انہوں نے فرضی خط کا ڈرامہ رچا کر انکو قتل کر دیا۔ جمل میں فریقین کے درمیان ہونے والی صلح میں اپنی جانوں کا خطرہ دیکھا تو اس کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے ابن سبا یہودی کے مشورہ سے رات کے اندھیرے میں مدمقابل فوج پر یورش کر کے فریقین کو آپس میں بھڑا دیا۔

اسی طرح صفین میں بھی جب حضرت معاویہؓ نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق

"من لی بامور المسلمین۔"من لی بضیعتھم "اور"من لذراری المسلمین"

کی دوہائی دی اور قرآن کو حکم بنانے کی پیش کش کی، اور جواباً حضرت علیؓ نے

"نعم انااولیٰ بذالک بینناوبینکم کتاب اللہ"

فرماتے ہوئے ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیا، جس کے نتیجے میں یہاں بھی جنگ بندی کے آثار ظاہر ہو گئے تو سبائی مفسدوں کو اپنے منصوبے کے تحت یہ جنگ جاری رکھوانے کے لئے کسی وجہ اور بنیاد کی ضرورت ہوئی۔ حضرت عمار چونکہ اس جنگ میں شریک تھے اور آنحضرت ﷺ ان کے قاتل کے بارے میں فرما چکے تھے کہ وہ باغی گروہ ہوگا تو انہوں نے انکے قتل کو ہی لڑائی بھڑکائے رکھنے کے لئے بنیاد بنایا۔ کیونکہ

دونوں فوجوں کے آمنے سامنے ہونے کی وجہ سے صورت حال کچھ ایسی بن چکی تھی کہ حضرت عمارؓ کو وہ خود قتل کر کے اسکا الزام فریقِ مخالف پر لا کر حدیثِ زیر بحث کے حوالہ سے بڑی آسانی کے ساتھ اسکو باغی بنا سکتے اور پھر باغی سے قتال کے قرآنی حکم

فقاتلواالتی تبغی حتیٰ تفیٔ الی امراللہ

کے حوالہ سے لوگوں کو اس سے قتال جاری رکھنے پر خوب خوب بڑھکا سکتے تھے لہٰذا انہوں نے یہی کچھ کیا کہ حضرت عمارؓ کو خود ہی قتل کر دیا خواہ اپنے لشکر میں ہی رہتے ہوئے ہڑبونگ مچا کر قتل کر کے لاش مخالف کیمپ میں پھینک دی ہو، خواہ پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر کے اپنے کچھ آدمی مخالف کیمپ میں بھی شامل کئے ہوئے ہوں۔ اور انہوں نے حسبِ تجویز، مخالف کیمپ کے ہی آدمی بن کر انکو قتل کر دیا ہو، کوئی صورت بھی ہوئی ہو قتل انکو بہر صورت اس سبائی گروہ نے خود کیا کیونکہ یہ ضرورت و مجبوری انہی کی تھی۔ پلان کے مطابق الزام حضرت معاویہؓ کی فوج پر لگا دیا۔ اس طرح انکو قاتلِ عمارؓ بنا کر اپنے بجائے انکو باغی مشہور کر دیا اور پھر باغی سے قتال کے مذکورہ قرآنی حکم کے حوالہ سے فریقین میں لڑائی بھڑکائے رکھنے کی ناپاک کوشش کی جو حضرت معاویہؓ نے بروقت اپنی خداداد صلاحیت بروئے کار لا کر ناکام بنادی۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھ آسکتی ہے کہ حضرت عمارؓ کا قتل، سبائی مفسدوں کی ہی ایک ضرورت ،انہی کی ایک مجبوری اور انہی کے خلاف اسلام منافقانہ و معاندانہ منصوبے کی ایک کڑی تھی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے تو انکا قتل، سیاسی لحاظ سے نہ صرف یہ کہ سخت مضر تھا بلکہ حد درجہ بدنامی کا باعث تھا۔ خصوصاً جبکہ وہ اس حدیث قتلِ عمارؓ سے بخوبی واقف بھی تھے کیونکہ اس حدیث کے راوی صحابہؓ میں سے جو دو صحابہؓ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے یعنی حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ۔ وہ دونوں حضرت معاویہؓ کی فوج میں تھے اور قتل عمارؓ کے بعد تاریخی روایات کے مطابق یہ حدیث بیان بھی انہی دونوں حضرات نے ہی کی تھی۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں اس حدیث کا راوی کوئی صحابی اگر تھا بھی تو اس سے اس موقع پر یہ حدیث بیان کرنا منقول نہیں نیز خصوصاً جبکہ حضرت معاویہؓ، قتلِ عمارؓ کو دخولِ نار کا باعث جانتے تھے۔ چنانچہ جب قاتلِ عمارؓ نے انکی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے

"ائذن لہ وبشرہ بالنار"

فرما کر اسکو اس طرح جہنم کی بشارت سنائی جس طرح حضرت علیؓ نے ایک ایسے ہی موقع پر حضرت زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت سنائی تھی۔ دیکھو علی الترتیب (البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹/ج ۷ وص ۲۵۰/ج ۷) پھر یہی نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھی بھی اس حدیث سے واقف تھے اور اسکی وجہ سے قتلِ عمار سے ہر ممکن بچنا چاہتے تھے چنانچہ ہنی مولیٰ عمر بن الخطاب کہتے ہیں کہ میں ابتداءً حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کے

ساتھ تھا۔ معاویہؓ کے ساتھی کہنے لگے کہ واللہ ہم عمارؓ کو کبھی قتل نہ کریں گے اگر ہم انکو قتل کریں گے تو ہم ویسے ہی ہو جائیں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں یعنی باغی الخ (طبقات ابن سعد اردو طبقہ مہاجرین حصہ دوم جلد ۵ ص ۱۷۹ شائع کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ) ایسی صورت میں خود ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی ضرورت حضرت عمارؓ کو قتل کرنے کی تھی یا ان کو اپنی تلوار سے اور اپنی تلوار کو ان سے بچانے کی؟ سوچنے کی بات ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے حضرت معاویہؓ جیسا آزمودہ کار سیاستدان جہنمیوں والا اور مفت کی بدنامی والا کام کیسے اور کیونکر کر سکتا تھا؟

لہٰذا جنگِ صفین میں سبائی باغیوں، مفسدوں، اوباشوں، آوارہ مزاجوں اور رذیلوں، خسیسوں کے ہوتے ہوئے حضرت عمارؓ کا محض لشکر علیؓ میں ہونا اور انہی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہونا اس بات کی دلیل قطعاً نہیں بن سکتا کہ ان کے قاتل، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی تھے۔ بلکہ ان کے قاتل وہی سبائی اوباش تھے۔ قتلِ عمارؓ جنکی ضرورت تھی اور جن میں آنحضرت ﷺ کی ارشاد فرمودہ قاتلِ عمارؓ کی تمام نشانیاں ہو بہو موجود تھیں۔ اس حدیث قتلِ عمارؓ میں ہی جب قاتلِ عمارؓ کی نشانیاں اور علامتیں خود آنحضرت ﷺ نے ہی بیان فرما دی تھیں۔ تو عدل و انصاف، قضاء و دیانت اور عقل و نقل کا تقاضا یہ تھا کہ ان نشانیوں اور علامتوں کی مدد سے قاتلِ عمارؓ کی تلاش اور ان کی روشنی میں اسکی تعیین کی جاتی لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا کرنے کی بجائے دنیا ان سبائی منافقوں کی اڑائی ہوئی بات کو ہی آگے چلتا کرتی رہی ہے۔

چالاک و ہوشیار چور اپنے تعاقب میں نکلنے والوں میں بڑی ہوشیاری سے شامل ہو کر خود بھی چور چور کی آواز لگانے لگ جایا کرتے ہیں تاکہ خود انکی طرف کسی کا دھیان ہی نہ جائے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل و باغی سبائی منافق و مفسد بھی ایسے ہی چالاک و ہوشیار چور تھے۔ انہوں نے خود ہی حضرت عمارؓ کو شہید کیا پھر خود ہی بڑی چابکدستی سے حضرت معاویہؓ کے خلاف، قاتل، قاتل، باغی، باغی کی آوازیں لگانا شروع کر دیں تاکہ کسی کو خود انہی کے قاتل اور باغی ہونے کا شبہ نہ ہو۔ اور پھر اپنی بین الاقوامی عیاری و مکاری سے دنیا کو یہ دھوکہ دینے میں کامیاب بھی ہو گئے کہ حضرت عمارؓ کے قاتل اور باغی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی ہیں۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ فی الحقیقت وہ خود ہی تھے۔

(باقی آئندہ)

فدائے احرار، عظیم مجاہد آزادی
مولانا محمد گل شیر شہید
مؤلف: محمد عمر فاروق : قیمت/۱۵۰ روپے

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار
چودھری افضل حق رحمۃ اللہ کی
نایاب اور اہم کتاب "شعور"
قیمت ـ ۳۵ روپے

جہانِ نسواں

آپا ھندہ

مَرد کی عیّاری

بے عقل مرد، بے دین مرد، بیکر ہوس مرد، عیاش مرد اور بدمعاش مرد نے آزادیٔ نسواں کے نام پر فرنگی کی غلامی کی تکمیل میں عورت کو گھر کی حاکمیت سے محروم کیا۔ آزادی کا خوبصورت خواب دکھایا عورت کو بے پردہ کیا، برقع اتارا، دوپٹہ اتارا اور کہا کہ حیا تو آنکھ میں ہے دوپٹے اور برقع میں کیا رکھا ہے۔

عورت کو گھر سے نکال کر اسے "سوشل ورکر" کا حسین نام دیکر بازاروں، چوراہوں اور "سیکرٹ" ماحول میں رسوا کیا گیا، عورت کو پرائیویٹ سیکرٹری بنا کر جنس کے بھوکے مرد نے اپنی گندی ناپاک نگاہوں کی بھوک مٹائی۔

عورت مرد کے برابر ہے وہ مرد کے شانہ بہ شانہ ہر کام کر سکتی ہے کے جمیل جال میں عورت کو پھنسایا اور یہ بے وقوف عورت اس خبیث مرد کے شیطانی چکر میں آکر ناچنے، تھرکنے اور گانے لگی، اشتہار اور ذریعۂ اشتہار بنی، کال گرل، ماڈل گرل کہلائی۔ ہائی جمپ، لانگ جمپ لگانے لگی، والی بال، ہاکی، ٹیبل ٹینس کھیلنے لگی، سومنگ کرنے کی ٹھان لی، تھانیداری اور "سپیمن" بن کے شرافتِ نسواں کا منہ چڑانے لگی، حد یہ کہ مقابلۂ حسن میں آگئی۔ حیا سر پیٹ کے رہ گئی، غیرت ڈوب مرنے کو دوڑی، انسانیت سرنگوں ہو گئی اور نسوانیت چیخ اٹھی۔ اے مرے خالق و مالک یہ تیری تخلیق ہے جس نے اپنا سراپا تباہ کر لیا۔ یہ گھر میں آٹا نہ گوندھ سکی کہ ہاتھ خراب ہوتے ہیں، روٹی نہ پکا سکی کہ آگ کی تپش رنگ جھلسا دیتی ہے۔ یہ گھر میں جھاڑو نہ دے سکی کہ مٹی ناک میں جاتی ہے۔ یہ گھر والوں کے کپڑے نہ دھو سکی کہ اس سے جراثیم لگ جاتے ہیں۔ اور اس منہ چڑھی نے خاوند سے کہا یہ سب کام کرانے تھے تو آپ نے کوئی مشین خریدی ہوتی جو یہ سب کام کر دیتی۔ خاوند جو مرد ہے ٹکر ٹکر اس "بھاگوان" کا منہ تکتا رہ گیا لیکن وہ اس رخ پر نہ سوچ سکا، نہ جان سکا اور کبھی بھی اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے یہ برطانوی اور امریکی غلام مرد کا کیا دھرا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تہذیب قبول کرنے کا منطقی انجام ہے۔

اسی پلید اور کمینے مرد نے عورت کے بال کٹوائے عورت کو مکس گیدرنگ کا عادی کیا، اسی شیطان صفت مرد نے عورت کو جاہلیت کی کافرہ عورتوں والا میک اپ کیا، بنایا، سنوارا، سجایا اور ابلیس کے چیلے مردوں میں لاکھڑا کیا تو اس بے دین عورت کو پتہ چلا کہ

گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

اور اس نا ہنجار و نابکار عورت کو اس بد باطن مرد نے یہ بھی سکھا دیا کہ تماش بینوں کو کیسے لبھایا جاتا ہے۔ اور یہی "لوبھ" جو گمراہ انسان کی مکروہ جبلت ہے وہ ہر تماش بین کے خنزیر نما ضمیر میں ہے وہ اس تماش بین کی نگاہ و دل پر آئرن کرٹن بن کے گر جاتا ہے۔ یہ اس تماشے میں مگن ہو جاتا ہے اور اس تماشہ گاہ میں کھو جاتا ہے، گم ہو جاتا ہے۔ یہ "انسان" اس جہان کی بہت بڑی حقیقت ہے جو اس لبھانے والی عورت کے سامنے گم صم ہو کے رہ گیا ہے اور یہ انسانیت تو اس کائنات کی انتہائی خوبصورت اور سب سے بڑی حقیقت ہے جو اب حیوانیت میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اے مری ماں، اے مری بہن، اے مری بیٹی اور اے شریف شوہر کی شریف بیوی..... کاش تو عورت اور مرد کے اس حیوانی تغیر کو روک سکتی۔

ہائے یہ حسرت!

اُف یہ تمنا اور یہ خواہش!

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی

مہم تیز کیجئے۔

اور ماتحت شاخیں مقامی انتخابات جلد مکمل کر کے مرکز کو ارسال کریں۔

(مرکزی ناظم نشر واشاعت)

(بقیہ از صـ۵۲)

نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بالآخر میں ہی انکی کتابوں میں پائی جاتی ہوں۔ ورنہ انہیں پوچھتا کون ہے۔

دیمک کی ملکہ کی بات بالکل سچی تھی۔ میں نے گھبرا کر کہا۔ تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ اگلی بار اگر میری کوئی کتاب چھپی تو اس میں تمہارا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔

ہنس کر بولی۔ اتنی ساری بات چیت کے بعد بھی تم اپنی کتاب چھپواؤ گے۔ بڑے بے شرم اور ڈھیٹ آدمی ہو۔ مرضی تمہاری۔ ویسے میرا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اگر کتاب ہی میرے نام معنون کر دو تو کیسا رہے گا۔

یہ کہہ کر دیمکوں کی ملکہ کلیات میر کی گہرائیوں میں گم ہو گئی۔ اور میں لائبریری سے باہر نکل آیا۔

(بہ شکریہ "کتاب نما" دہلی مارچ ۱۹۹۴)۔

حسنِ انتخاب

ابان ارشد

جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں

گزشتہ دنوں ایک حوالہ کی تلاش میں راقم کاروانِ احرار کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ چلتے چلتے ایک مردِ احرار کی آپ بیتی نظر سے گزری ــــ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدظلہ کے **بقول** ــــ

"احرار ایسے جیالے مائیں روز روز نہیں جنا کرتیں۔ احرار کا طرہ امتیاز ہی یہ ہے کہ اللہ کے دین اور شریعت محمدی ﷺ کی خاطر!

پھانسیوں پر جھول گئے

گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے

سنتِ یوسفی ادا کرتے کرتے جانیں وار گئے

بیویوں اور بچوں کو دین پر قربان کر گئے

خبیب، ابن عدی، عاصم قاری، طلحہ اور ابو دجانہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اتباع میں حرمتِ رسول و ختم نبوت کے تحفظ کا فرض ادا کرتے کرتے قربان ہو گئے"۔

اس قربانی، اس وارفتگی و جاں سپاری کو احرار کے پیکر جمیل مرزا غلام نبی جانباز مرحوم کی زبانی پڑھیے...... ذرا دیکھے تو سہی حق اور سچ کی راہ کتنی کٹھن، پرپیچ اور ہولناک ہے کہ جن راہوں پہ چلنا کسی صاحبِ عزیمت کے ہی حصہ میں آتا ہے۔ جانباز مرحوم لکھتے ہیں

"اگر مقصد کے حصول میں خلوص نہ ہو تو ایثار و قربانی کا تمام جذبہ ملمع ہو گا چاہے ظاہری چمک کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ ہو سکتا ہے، دیکھتی دنیا چمکتی چیز کو سونا سمجھ بیٹھے۔ لیکن تا کجے؟

سیاست کی پر خاروادی میں مسلمان کارکن کو کیسے اور کیونکر سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ اگرچہ میرا موضوع نہیں، تاہم میری زندگی کا ایک وافر حصہ ضرور ہے۔

ع۔ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

سیاسی زندگی کے بائیس برس گذرنے پر اب شبہ کی حد سے یقین پر آن پہنچا ہوں کہ اس دنیا میں بھی غریب اور امیر کا سوال ویسے ہی موجود ہے، جیسے دنیا کے دوسرے جھمیلوں میں پایا جا رہا ہے۔ جہاں تک میری جدوجہد کا تعلق ہے۔ پنجاب بھر کی جیلوں کی دیواریں میری ہمت، اولوالعزمی اور ثابت قدمی کی آج بھی گواہ

ہیں۔ میرا قدم کسی ملکی اور مذہبی تحریک سے پیچھے نہیں رہا۔ اکثر مواقع ایسے آئے کہ جیل کے دروازے میں پہلا قدم میرا تھا۔

میرے بھی آباؤ اجداد میرے لئے دولت چھوڑ جاتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اپنوں کے ہاں باعزت نہ ہوتا۔ اس دنیا میں عزت کا ذریعہ صرف دولت ہے، جس سے میرا دامن تہی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی جیل سے رہا ہو کر آیا تو احباب نے سوال کیا "کیوں بھئی جانباز اتنے دن کہاں رہے"؟ گویا انہیں میرے اسیرِ افرنگ ہونے کی خبر تک نہیں۔ خیر دنیا میں سینکڑوں ناانصافیاں ہیں جن کی گواہی تاریخ ماضی کے پاس بھی نہیں۔

تین برس جیل میں گزار کر جب گھر آیا، تو طاہرہ ماشاء اللہ چلنا سیکھ چکی تھی اور عزیزی زاہدہ بھی جسے ایک برس کی چھوڑ گیا تھا، اچھی خاصی ہو گئی تھی۔ اب وہ دیوار کا سہارا لے کر محلے سے اپنے لئے کچھ خرید لاتی تھی۔ بیوی کے چہرے کی تمام رونقیں ضائع ہو چکی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔ چہرے کی سرخی سیاہی میں ہو گئی تھی۔ سر کی مانگ میں سیندور کی جگہ اب کہیں کہیں سفید بالوں نے لے لی تھی۔ غرض تین برس کے غم و فکر نے اسے بیماری کی ایسی تصویر بنا دیا تھا۔ جس کا رنگ و روغن ضائع ہو چکا ہو۔ اثاثہ حیات جو پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھا، ضائع ہو چکا تھا۔

رہائی کے بعد صحت اور خانگی حالات کا تقاضہ تھا کہ میں کچھ دیر ستالوں لیکن ملکی حالات اسکی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ گھر کا ماحول اپنی طرف کھینچ رہا تھا اس کھینچا تانی میں تہی دامنی بھی سدِ راہ تھی۔ گھر میں کئی دنوں سے چولہا بجھا ہوا تھا۔

اسی ادھیڑبن میں ایک شام امرتسر ریلوے اسٹیشن پر آنکلا۔ کافی دیر یونہی بغیر کسی مقصد کے اسٹیشن کی حدود میں گھومتا رہا۔ اب رات کا پہرہ شروع ہو چکا تھا۔ چراغوں کی روشنی بھی اندھیرے کو فریب نہ دے سکی اور یہ خیال میرے لئے ایک نئے عزم کا پیامبر ثابت ہوا۔

ان دنوں ہاوڑہ ایکسپریس (کلکتہ جانے والی گاڑی) اور کالکا ایکسپریس رات دس بجے کے بعد امرتسر سے گذرتی تھیں۔ میں رات کے اندھیرے میں چادر اوڑھے کھڑا تھا کہ ایک مسافر، جس نے اپنا سامان خود اٹھا رکھا تھا، میرے قریب سے گذرا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر اپنا سامان مجھے اٹھوا دیں تو مہربانی ہو گی۔ مسافر نے ایک نظر دیکھا اور سامان میرے سر پر رکھ دیا۔ گورورام داس کی سرائے اسٹیشن سے قریباً دو میل کی مسافت پر تھی۔ وہاں پہنچ کر مجھے اس کی مزدوری چار آنے ملی۔ وہاں سے بھاگ کر پھر اسٹیشن پر آن پہنچا۔ اتنے میں شملہ جانے والی گاڑی کالکا ایکسپریس اسٹیشن پر آن پہنچی۔ میں نے پہلے کی طرح ایک مسافر کا سامان اٹھا لیا۔ مجھے اس نے پانچ آنے دیئے رات بارہ بجے گھر پہنچا تو میرے پاس نو آنے تھے۔ اس دور کی یہ رقم آج

کے مقابل پانچ روپے کے برابر تھی۔ صبح بچوں کے لئے دودھ اور دال روٹی کا آسرا ہو گیا۔ اس پر بیوی نے تعجب سے کہا۔ یہ پیسے آپ کہاں سے لائے؟ کہیں قرض تو نہیں اٹھایا"؟۔ "نہیں کسی دوست سے سابقہ قرض لینا تھا وہ لایا ہوں"۔ اس پر وہ مطمئن ہو گئی۔ اور ساتھ ہی وہ کہنے لگی۔ دیکھنا ادھار نہ لینا وقت ہے گذر ہی جائے گا۔ بیوی کا یہ مختصر جملہ میرے لئے ملامت کا باعث تھا۔

پندرہ برس کا سن تھا کہ اس دشت کی سیاحی کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ کاش کوئی ہنر ہاتھ میں ہوتا تو آج اتنی ندامت نہ ہوتی۔ لیکن جنون و شوقِ صحرا نوردی نے خرد کی تمام راہیں مسدود کر کے پتھروں اور کانٹوں میں لا پھینکا۔ آج پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔

دوسری رات پھر اسٹیشن پر چلا گیا۔ ابھی تردد میں تھا کہ کسی مسافر سے کہوں کہ ایک آواز آئی۔ سامان اٹھاؤ گے؟ "جی ہاں۔" چند لمحوں بعد ایک بوجھل بکس میرے سر پر تھا۔ اور میں چادر میں منہ چھپائے دور تک چلا گیا۔ یہ بوجھ میرے اپنے وزن سے زیادہ تھا۔ اس نے مجھے آٹھ آنے دیئے۔ اس طرح پندرہ دن یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا معمول بن گیا تھا کہ رات چوری چھپے یہ مزدوری کرتا اور دن بھر کے لئے روزی کما لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ محلہ شریف پورہ کے ایک صاحب کا سامان اٹھا کر جب اس کے گھر پہنچا تو مزدوری کے لئے کچھ تلخی سی ہو گئی۔ اس دوران صاحب خانہ کے سسر پر جو میری نظر پڑی تو میں فوراً منہ چھپا کر باہر چلا آیا۔ یہ تھے میاں محمد سوداگر چرم۔ آپ مجلسِ احرار پنجاب کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ وہ میری آواز پہچان گئے تھے۔ انہوں نے مجھے گلی کی نکڑ پر آن لیا۔ دیکھتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ گھر لے آئے۔ دودھ پلایا اور اپنی گاڑی پر مجھے میرے گھر چھوڑ گئے۔ اور خود اسی وقت لاہور چلے گئے۔ دوسری صبح نور کے تڑکے میں باہر سے آواز پڑی۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر آل انڈیا مجلسِ احرار، میاں محمد عمر کے ساتھ کھڑے ہیں۔ جلدی سے دروازہ کھولا۔ مولانا نے مجھے فوراً اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ بھری آواز سے کہا۔

"جانباز! تو نے اپنی نہیں میری توہین کی ہے۔ جب میں بیٹھا ہوں تو تجھے یہ حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

یہ کہتے ہوئے مولانا نے مجھے پچاس روپے دیئے۔ اس رقم سے کچھ سابقہ قرض اتر گیا اور کچھ راشن خرید لیا گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ زعماء احرار نے کارکنوں کی ایسی ہی تربیت کی۔ وہ والنٹیرز کو صفِ اول میں دیکھنا پسند کرتے، ان کے معاشی حالات سے آگاہ رہنا، اخلاق اور کردار کی اصلاح کرنا بھی ان کے ذمہ تھا۔ کسی جماعت کی بقا اور لیڈر کا اپنا مستقبل بھی انہیں ستونوں پر قائم ہے۔ اگر یہ دیوار پختہ نہ ہو تو نہ پارٹی کا وجود قائم رہ سکتا ہے اور نہ رہنما کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ (کاروانِ احرار۔ جلد سوم۔ ص ۲۱-۱۷)

نمائندہ خصوصی

صادق آباد میں سید عطاء المؤمن بخاری کا خطاب

☆ جمہوری نظام کی موجودگی میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہوسکتا

☆ نواز شریف کے پیکج میں اسلام کا کوئی ذکر نہیں

☆ کشمیر کو تقسیم کرنے کی سازش ہو رہی ہے

☆ پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے پر حکومت اور اپوزیشن دونوں متفق ہیں

☆ موجودہ حالات میں ہمیں دینی جماعتوں کے مثبت اور طاقتور کردار کی ضرورت ہے

مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری نے کہا ہے کہ گزشتہ ۷۴ سال سے جس جمہوری نظام کو ہم سنے گلے لگا رکھا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہاں اسلامی نظام نہیں آسکتا۔

حکومت اور اپوزیشن ایک بات پر متفق نظر آتی ہے کہ پاکستان کا اسلامی تشخص ختم کردیا جائے۔ پاکستان میں یورپ کا کافرانہ نظام لانے کیلئے بڑے پیمانے پر کوششیں ہو رہی ہیں۔ پاکستان کا اسلامی تشخص تباہ کرنے کیلئے عریانی وفحاشی کی یلغار کردی گئی ہے۔ کراچی سے پشاور تک دین پسند طبقہ انگشت بدنداں ہے کہ اس ملک کا کیا بنے گا؟ ہماری نوجوان نسل مستقبل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوسکے گی؟ ان حالات میں دینی جماعتوں کے ایک طاقتور اور مثبت کردار کی ضرورت ہے۔ علماء اس نظام کے خلاف مزاحمتی کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں کہ خود ابجنسیاں اور ان سے منسلک لوگ ہوٹلوں اور ریستورانوں، مباحثوں اور سیمیناروں میں بیٹھ کر علماء کو نہ صرف برا بھلا کہتے ہیں بلکہ ان کی داڑھیوں کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ دینی اعمال، احکام شریعت اور سنت نبوی ﷺ سے کھلا انحراف کیا جاتا ہے۔ اگر اس ماحول کے خلاف دین پسند طبقہ بیدار نہ ہوا تو دینی جماعتوں کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت اور اپوزیشن ملک میں کسی بڑی طاقت کو خوش کرنے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس جمہوری نظام کو ہم نے گزشتہ ۷۴ سال سے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے اس نے ہمارے ملک کے پورے سسٹم کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور ہر الیکشن

کے نتیجہ میں عیار، مکار، کذاب، بد عہد، سرمایہ دار طبقہ اقتدار میں آجاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ روس کی تباہی کا باعث بھی قومیت۔ علاقائیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاستیں ہیں نا کہ امریکہ نے روس کو تباہ کیا۔ اس نظام کے تحت کوئی شریف آدمی قیادت تک نہیں پہنچ پاتا۔ ملک میں لسانی عصبیت اس نظام کا حصہ بن چکی ہے جو ملک کیلئے انتہائی خطرناک ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کشمیر کے سلسلہ میں حکومت نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ کشمیر کمیٹی کو پیسہ خرچ کرکے باہر کے دورے کروائے گئے جبکہ کمیٹی میں ذمہ دار آدمی شامل نہ کرنے سے اسکے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ جن ممالک سے رابطے کرنے چاہئیں تھے نہیں کئے گئے۔ جبکہ ہندوستان نے اپنی خارجہ پالیسی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے مسلم دنیا میں اسکی دوستی کے اثرات نمایاں نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت اور اپوزیشن اپنے اقتدار کی جنگ میں اس قدر آگے جاچکے ہیں کہ انہوں نے ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا ہے ہمارے ہاں خاموش ڈپلومیسی کا جو طریقہ اپنایا گیا ہے اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی ہے۔ عوام کو پتہ ہونا چاہیئے کہ ہماری حکومت یا اپوزیشن ملک کے اہم ایشوز پر کیا کر رہی ہیں۔ خاموش ڈپلومیسی کے ذریعے جو بھی فیصلے کئے جاتے ہیں وہ ملک کے مفاد میں نہیں ہوسکتے۔ میاں نواز شریف کے پیکج میں اسلام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں ہمیں زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ایک اور سوال کے جواب میں بتایا کہ کشمیر کو تقسیم کرنے کی گھناؤنی سازش کی جارہی ہے۔ جو تھرڈ آپریشن کے پروگرام پر عملدر آمد کرانے کا ایک حصہ ہے۔ اس موقع پر مقامی مجلس احرار کے رہنما چوہدری بشارت علی، چودھری گلزار احمد، فضل محمد اور مولانا نثار احمد بھی موجود تھے۔ بعد ازاں قائد احرار سید عطاء المومن بخاری نے جامع مسجد ختم نبوت شہزاد کالونی اور چک ۱۴۰/پی منٹھار شہباز پور میں سیرت النبی ﷺ کانفرنسوں سے بھی خطاب کیا۔ مولانا اللہ بخش، حافظ دوست محمد، مشتاق احمد اور چوہدری بشارت آپ کے ہمراہ تھے۔

شیزان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

یاد رکھیئے! ہم مسلمان ہیں اور مرزائی کافر مرتد!

ہم اگر ان کی مصنوعات استعمال کریں گے تو وہ ہمارے سرمائے سے ہمارے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے آسانیاں پائیں گے،

فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ بائیکاٹ یا ـــــــ؟

مسافرینِ آخرت

- تلہ گنگ سے ہمارے رفیقِ فکر جناب محمد عمر فاروق کی خالہ زاد بہن (اہلیہ پروفیسر فتح محمد ملک) جرمنی میں انتقال کر گئیں۔ انہیں ان کے آبائی قبرستان تلہ گنگ میں سپردِ خاک کیا گیا۔
- بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں قدیم احرار کارکن مولوی شمس الدین مرحوم کی اہلیہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں۔
- بستی مولویاں ہی کے احرار ساتھی مولوی منور دین مرحوم کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں۔
- خانپور سے ہمارے دوست محترم راؤ عبدالرحمن گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔
- مدرسہ معمورہ ملتان کے مدرس محترم محمد اشرف کے والد ماجد گزشتہ ماہ رحلت فرما گئے۔

اراکینِ ادارہ تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعاء گو ہیں۔ اور پسماندگان کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے آمین۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعاء اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

دُعاءِ صحّت

مجلس احرار اسلام صادق آباد کے صدر محترم چودھری گلزار احمد صاحب گزشتہ چند ماہ سے شدید علیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطاء فرمائیں۔ احباب سے گزارش ہے کہ وہ محترم چودھری صاحب کی صحت کاملہ کے لئے خاص طور پر دعا کا اہتمام کریں۔

*

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی مہم

مقامی مجالس کے انتخابات فوراً مکمل کر کے مرکز کو ارسال کریں۔

مجلس احرارِ اسلام کے تمام اراکین و معاونین اور ماتحت شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مجلس کی رکنیت سازی کی مہم گزشتہ چار ماہ سے جاری ہے۔ تمام ماتحت مجالس ۳۰ نومبر ۱۹۹۴ء تک نئی رکنیت سازی اور مقامی انتخابات مکمل کر کے مرکزی دفتر ارسال کریں۔ فارم رکنیت اور دستور جماعت کی کاپیاں مطلوب ہوں تو مرکزی دفتر دار بنی ہاشم ملتان سے طلب فرمائیں۔ ذیل میں چند انتخابات شائع کئے جا رہے ہیں۔ آئندہ شماروں میں بھی موصول ہونے والے انتخابات مسلسل شائع کئے جائیں گے۔ (مرکزی ناظم نشر و اشاعت)

انتخاب مجلس احرار اسلام بستی پروچڑاں شریف تحصیل خان پور

مجلس احرار اسلام بستی پروچڑاں شریف تحصیل خان پور کا انتخابی اجلاس زیرِ صدارت قاری محمد یوسف صاحب منعقد ہوا۔ جس میں اتفاقِ رائے سے درج ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

سرپرست اعلیٰ علامہ محمد اسماعیل مجاہد صاحب صدر:۔ محمد یعقوب صاحب پروچڑوی

ناظم:۔ عبدالغفار پروچڑوی ناظم نشریات:۔ محمد زاھد مدنی ضلعی نمائندہ:۔ محمد یعقوب

مرکزی نمائندہ:۔ عبدالغفار پروچڑی صاحب

انتخاب مجلس احرارِ اسلام گوجرانوالہ شہر

مجلس احرارِ اسلام گوجرانوالہ شہر کے ارکان کا انتخابی اجلاس مہر محمد انور صاحب کی رہائش گاہ پر ۱۴ اکتوبر بعد نماز جمعہ منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت محترم چودھری ثناء اللہ بھٹہ صاحب نے کی۔ اور سید محمد کفیل بخاری کی نگرانی میں درج ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

صدر: شیخ عبدالمجید امرتسری صاحب

ناظم اعلیٰ: محمد اشرف احرار صاحب

ناظم نشر و اشاعت: محمد عمر فاروق (بن صوفی محمد سلیم مرحوم)

مقامی مجلس شوریٰ: شیخ عبدالمجید امرتسری صاحب، محمد اشرف احرار صاحب، محمد عمر فاروق، مرزا عبدالغنی، محمد یونس بٹ، محمد مشاہد معظم، مہر محمد انور، محمد ازہر، محمد انور، عبدالحق، محمد افضل پہلوان، محمد یعقوب بٹ۔

نمائندہ مرکز: شیخ عبدالمجید امرتسری صاحب

سید محمد کفیل بخاری کی دعا کے ساتھ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

انتخاب مجلسِ احرارِ اسلام، چنیوٹ

مجلسِ احرارِ اسلام چنیوٹ کے اراکین کا انتخابی اجلاس زیر صدارت صوفی محمد علی صاحب ۱۳ اکتوبر بروز جمعرات منعقد ہوا۔ مرکزی نائب ناظم نشر و اشاعت سید محمد کفیل بخاری کی نگرانی میں متفقہ طور پر درج ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: صوفی محمد علی صاحب

نائب صدر: حاجی نواب الدین صاحب

ناظم: محمد جمیل

نائب ناظم: محمد عثمان

ناظم نشر و اشاعت: محمد حنیف

مقامی مجلس شوریٰ: صوفی محمد علی، حاجی نواب الدین، محمد جمیل، محمد عثمان، طارق اقبال، محمد یونس، محمد صفدر، عبداللطیف ناز، نسیم معاویہ، محمد انور، محمد صادق، محمد اقبال، عبدالغفور، محمد اشرف، محمد احسان۔

اجلاس میں جماعت کی موجودہ مرکزی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ربوہ میں مدرسہ ختم نبوت اور مسجدِ احرار کے تعمیری کام پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس کے نگران سید محمد کفیل بخاری نے اپنے مختصر خطاب میں جماعت کو منظم اور فعال کرنے پر زور دیا۔

انتخاب مجلسِ احرارِ اسلام، ٹوبہ ٹیک سنگھ

۹ ستمبر بعد نمازِ جمعہ مجلس احرارِ اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کا انتخابی اجلاس بمقام جامعہ مسجد معاویہ جھنگ روڈ،

ٹوبہ ٹیک سنگھ منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت جناب حافظ محمد اسماعیل صاحب خطیب جامع مسجد معاویہ نے کی۔ کارروائی کا آغاز حافظ محمد نواز کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور اراکین کے متفقہ فیصلہ کے مطابق درج ذیل عہدیدار منتخب کئے گئے۔

صدر: جناب حاجی نذیر احمد زرگر

نائب صدر: جناب شیخ محمد اکرام

ناظم: جناب حافظ محمد شفیق

ناظم نشرواشاعت: جناب ملک نذر حسین

خزانچی: جناب حبیب الرحمن

مقامی مجلس شوریٰ: حاجی نذیر احمد زرگر، شیخ محمد اکرم، حافظ محمد شفیق، قاری محمد شریف، حافظ محمد نواز، ملک نذر حسین ڈوگر، حافظ محمد اسماعیل، حافظ نصراللہ، حبیب الرحمن،

مجلس عاملہ: جناب اللہ دتہ، جناب محمد اعظم، جناب محمد اشفاق، جناب حافظ محمد اکرم، جناب حافظ نصراللہ۔

نمائندہ مرکز: جناب حافظ محمد اسمٰعیل

اپنے عطیات اور زکواۃ و صدقات

مدرسہ معمورہ ملتان

کو عنایت فرمائیں

مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء کے اخراجات

اور

نئی درسگاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر کے لئے اہل خیر حضرات فوراً توجہ فرمائیں

ترسیلِ زر کا پتہ

بذریعہ منی آرڈر:۔ سید عطاء المحسن بخاری۔ مہتمم مدرسہ معمورہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان۔ فون:۔ 511961

بذریعہ بینک:۔ اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان۔

(بقیہ از صـ۴۰ـ)

جیسے نصرت بھٹو شریک چیئر پرسن ہیں۔

- ہم نے اقتدار کے لئے کسی جرنیل کا سہارا نہیں لیا۔ (وٹو)

آپ کے کندھے پر ایک نرم و نازک ہاتھ جو ہے۔

- اکادمی ادبیات کی اہل قلم کانفرنس میں کچھ خواتین نے میک اپ میں نماز پڑھی۔ (ایک خبر)

آخر خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔

- (کروڑلعل عیسن) پولیس جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو گئی (ایک خبر)

پولیس ہی ہے کوئی سوَر تو نہیں۔

- ایم پی اے کا پلاٹ پر قبضہ۔ کارروائی پر ڈپٹی آئی جی کا تبادلہ۔ (ایک خبر)
- جاگیردار کا ساتھیوں سمیت سکول پر حملہ۔ بیٹے کو پیٹنے والے طالب علم پر وحشیانہ تشدد۔ (دوسری خبر)

اب میرے دیس کے لوگوں کو تعبیر ملے گی خوابوں کی۔

- وزیر اعلیٰ وعدوں پر ٹرخارہے ہیں۔ (ضیاء فاروقی)

پہلے کونسا وعدہ پورا ہوا ہے؟

- دوبارہ وزیر اعلیٰ بنا۔ دونوں بار عوام کے ووٹوں سے بنا (وٹو)

پہلی دفعہ غلام اسحق خاں سے ملی بھگت پر اور دوسری دفعہ بی بی کو بلیک میل کر کے!

- بجلی کی قیمتوں میں ۲۰ فیصد مزید اضافے کا فیصلہ (ایک خبر)

میرے گاؤں میں بی بی آئی ہے۔

- "گیس جلے گی گھر گھر" پبلسٹی کے لئے ساڑھے چوالیس کروڑ پنشنرز کے لئے کچھ بھی نہیں۔ (ثناء اللہ چوذھری)

خالی نعروں سے غریب کا پیٹ نہیں بھرا جاسکتا!

- مالکہ کا جنازہ اٹھا تو پالتو کتے بھی زارو قطار رونے لگے۔ متوفیہ نے کتوں کو بچوں کی طرح پالا تھا۔ (پنڈ دادن خان سے ایک خبر)

جس طرح امریکہ اپنے بچوں کو پال رہا ہے۔!

قمر الحسنین

یہ دل ٹکڑوں میں گرچہ بٹ گیا ہے
مگر ظلمت کا پردہ پھٹ گیا ہے
بڑھو ھمت کرو آگے بڑھو
غبارِ ظالماں اب چھٹ گیا ہے

یہ دل میرا حصص میں کٹ گرا ہے
رہِ منزل غبار اب بھی پڑا ہے
خدایا! دل کے ٹکڑے جوڑ دے اب
ترے بندوں پہ یہ وقت اب کڑا ہے

بخاری اکیڈمی ملتان کی اہم مطبوعات

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار چودھری افضل حق کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

قیمت: ۔/۱۰۰ روپے
رعایتی قیمت: ۔/۶۰ روپے، ڈاک خرچ: ۔/۱۰ روپے

تحقیق کی دنیا میں علماء اور دانشوروں سے داد و تحسین وصول کرنے والی اہم، تاریخی اور تہلکہ خیز کتاب

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر
ایک نئے مطالعے کی روشنی میں

بے پناہ اضافوں کے ساتھ دوسرا اور نیا ایڈیشن
مصنف: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی قیمت:
مقدمہ: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ۔/۱۵۰ روپے

مفکر احرار چودھری افضل حق کی تین شاہکار کتابوں کا مجموعہ

دیہاتی رومان
معشوقۂ پنجاب
شعور

قیمت: ۔/۳۵ روپے

عظیم مجاہد آزادی، فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید

• سوانح • افکار • خدمات

مؤلف: محمد عمر فاروق۔ صفحات ۴۰۴۔ قیمت: ۔/۱۵۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ھاشم، مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

انسٹنٹ
جوھر جوشاندہ
فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی سوزش
کے لیے مفید
صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ اب فوری حل ہونے والے
انسٹنٹ جوھر جوشاندہ کی شکل میں۔
خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید جوھر جوشاندہ فلو، نزلہ،
زکام کی علامات میں آرام پہنچاتا ہے۔
موسمی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے جوھر جوشاندہ
احتیاطی تدبیر کے طور پر استعمال کریں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھر جوشاندہ ملائیں اور جوشاندہ تیار
دن میں دو یا تین پیکٹ جوھر جوشاندہ استعمال کریں۔
جوھر
جوشاندہ
JOHAR
JOSHANDA
تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

تحریک طلباء اسلام کے زیر اہتمام تحریری مقابلہ

عنوان

جمہوریت ایک ناکام ترین نظام

اس عنوان پر لکھیئے اور انعام حاصل کیجئے۔

(۱) اول آنے والے کا مضمون نقیب ختم نبوت میں شائع کیا جائیگا۔

(۲) اول انعام سو روپے کی کتابیں ایک سال کے لئے نقیب کی ترسیل۔

(۳) دوم آنے والے کے لئے ۷۵ روپے کی کتب اور چھ ماہ کے لئے نقیب کی ترسیل۔

(۴) سوم آنے والے کے لئے ۵۰ روپے کی کتابیں۔

(۵) زیادہ مضامین آنے کی صورت میں قرعہ اندازی ہوگی۔

(۶) جیوری کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

آئیے! آپ بھی لکھیئے اور اس کفریہ شیطانی نظام کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیکر انعام حاصل کیجئے۔
مضامین ۲۰ نومبر تک موصول ہو جانے چاہیئیں۔ بعد میں آنے والے مضامین مقابلہ میں شامل نہیں کئے جائیں گے۔

مضمون بھیجنے کا پتہ:

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون:۔ ۵۱۱۹۶۱

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان کا

امیرِ شریعت نمبر

حصہ دوم

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت! دسمبر ۱۹۹۲ء میں حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے صد سالہ یومِ ولادت کے موقع پر امیرِ شریعت نمبر (حصہ اول) کی ایک ضخیم اشاعت آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔

الحمدللہ! ہماری اس کاوش کی ملک بھر میں زبر دست پذیرائی ہوئی اور اہلِ علم و دانش نے خراجِ تحسین پیش کر کے ہماری بے پناہ حوصلہ افزائی کی۔

ہماری خواہش ہے کہ حضرت امیرِ شریعت کی شخصیت کے حوالے سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ تمام مواد تقریباً پانچ اشاعتوں میں مکمل ہوگا۔

- حصہ دوم، صفحات ۵۰۰، طباعت کے لئے طیار ہے۔
- مگر اشاعت کے مصارف معدوم ہونے کی وجہ سے اب تک شائع نہ ہوسکا۔
- اس اہم نمبر کی اشاعت میں آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں۔
- اصل قیمت۔/۳۰۰ روپے ہے۔
- آپ۔/۲۰۰ روپے پیشگی جمع کرا کر رعایتی قیمت میں حاصل کر سکتے ہیں۔
- یہ تاریخی نمبر ان شاء اللہ نومبر ۱۹۹۴ء کے آخر میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔
- رفقاء امیرِ شریعت اور قدیم احرار کارکنوں سے درخواست ہے کہ وہ حصہ سوم کے لئے غیر مطبوعہ یا مطبوعہ مضامین، احرار سے متعلق اخبارات و جرائد، اکابر احرار کے خطوط، تاریخی تصاویر یا دیگر دستاویزی ریکارڈ اگر رکھتے ہوں تو اصل یا فوٹو سٹیٹ ادارہ کو ارسال کر کے اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالیں۔
- امانتاً ارسال کیا جانے والا مواد پندرہ یوم کے اندر واپس کر دیا جائے گا۔ فوٹو سٹیٹ اور ڈاک کے مصارف ادارہ برداشت کرے گا۔

سید محمد کفیل بخاری، مدیر مسئول ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت،
دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱